مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات وخدمات

(البحث لنیل الشہادۃ العالمیہ فی العلوم العربیہ والاسلامیہ "ماجستر")

KANZUL MADARIS BOARD

مقالہ نگار:	مقالہ نگران:
محمد مجاہد رضا بن مولوی محمد اشفاق احمد	استاد العلماء مولانا سجاد شاہ صاحب
عالمیہ سالِ دوم	مدرس جامعۃ المدینہ فیضانِ مدینہ کراچی
عالمیہ سالِ اول	

شعبۃ الامتحانات کنز المدارس بورڈ پاکستان

(شعبان ۱۴۴۴، جنوری ۲۰۲۳)

KANZUL MADARIS BOARD

نتیجہ از ممتحن

عنوان مقالہ:__________ عنوان نمبر:__________

نام اُمیدوار:__________ عالمیہ سال اول کارول نمبر:__________

نام جامعہ/مدرسہ:__________ ریجن:__________

نمبرات کی تقسیم کاری اور مختصر ملاحظات

نمبر شمار	مقالہ کے حصے	مقررہ نمبر	حاصل کردہ نمبر	نمبر کم ہونے کی وجہ
1	فہرست عنوانات	05		
2	مقدمہ مندرجہ ذیل امور کا احاطہ ضروری ہے (موضوع کا تعارف، اہمیت، سابقہ کام کا جائزہ، تحقیق کے بنیادی سوالات واہداف)	15		
3	(صلبِ موضوع (سوالات و اہداف کے مطابق موضوع پر تحقیق	50		
4	حواشی و ذیل حوالہ جات اور توضیحی نوٹس	10		
5	موضوع کی بحث پر مبنی نتائج/خلاصہ بحث	05		
6	موضوع پر مزید کام کرنے کی تجاویز	05		
7	مقالہ میں وارد آیات و احادیث کی فہرست (آخر میں لگائیں)	05		
8	فہرست مصادر و مراجع	05		
	میزان	100		

مقالہ کے بارے میں ممتحن کے عمومی تاثرات:__________

____

____

نام ممتحن:__________

دستخط ممتحن:__________

تاریخ:__________

نوٹ: نتیجہ از ممتحن، مندرجہ بالا پر فارمہ کاپی کر کے اُمیدوار اپنے مقالے کے آغاز میں لگائے، اس میں مطلوبہ کوائف کو اُمیدوار خود احتیاط سے درج کرے۔

تسمیہ و تحمید

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ

اجمالی فہرست

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ 13

تصدیق نامہ: 14

اظہار تشکر 15

انتساب: 16

مقدمہ: 17

باب اول 21

(تعارفِ فیضِ ملّت مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) 21

فصلِ اول: 22

مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف 22

فصلِ ثانی : 40

مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات: 40

بابِ دوم 64

(حدائقِ بخشش اور اس کی شروحات کا تعارف) 64

فصلِ اول: 65

حدائقِ بخشش کا تعارف: 65

فصلِ ثانی: 74

شرحِ حدائقِ بخشش کا تعارف اور منہج واسلوب: 74

فصلِ ثالث: 82

حدائقِ بخشش کی دیگر شروحات کا مختصر تعارف: 82

خلاصۂ مقالہ: 87

عرض وتجاویز: 88

فہرست آیات مبارکہ: 89

مصادر ومراجع: 90

تفصیلی فہرست:

اجمالی فہرست 4
تفصیلی فہرست: 5
بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ 13
تصدیق نامہ: 14
اظہار تشکر 15
انتساب: 16
مقدمہ: 17
تعارفِ موضوع:(Introduction To The Topic) 17
قرآنِ کریم میں علماء کے فضائل: 17
حدیثِ پاک میں علماء کے فضائل: 17
اہمیتِ موضوع:(Importance Of The Topic) 19
اسبابِ انتخابِ موضوع:(Reasons For Choosing The Topic) 19
منہج تحقیق:(Research Methodology) 20
باب اول 21
(تعارفِ فیضِ ملّت مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) 21
فصلِ اول: 22
مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف 22
نامِ مبارک: 22
کنیت: 22

نسب شریف: 22

ولادتِ باسعادت: 23

خاندانی پسِ منظر: 23

مولانا فیض احمد اویسی رحمتہ اللہ علیہ کے آباواجداد کی دینی وملی خدمات: 24

ابتدائی تعلیم: 24

حفظ القرآن کی نعمت: 24

آغازِ درسِ نظامی: 25

اعلی تعلیم کیلئے مختلف مدارس کا سفر: 25

دورہ حدیث شریف کے لیے جامعہ رضویہ فیصل آباد کا سفر: 25

علامہ فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کے اساتذہ کرام: 26

حضرت مولانا فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کا سلسلہ بیعت وخلافت: 27

حضرت علامہ فیض احمد اویسی نور اللہ مرقدہ کے مشائخ عظام: 27

سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی نوّر اللہُ مرقدہٗ سے علامہ اویسی علیہ الرحمہ کی عقیدت: 28

امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ سے علامہ اویسی علیہ الرحمہ کی عقیدت: 29

امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ اور علامہ اُویسی صاحب علیہ الرحمہ: 29

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اور فیضِ ملت میں مشترکات: 30

فیضِ ملت علامہ اویسی صاحب علیہ الرحمہ بحیثیتِ مرشِدِ کامل: 31

علامہ اویسی علیہ الرحمہ کے مشہور خلفاء: 31

چند مشہور خلفاء کرام کے اسمائے گرامی: 32

علامہ اویسی علیہ الرحمہ کے عادات ومعمولات: 34

علامہ اویسی علیہ الرحمہ کی عبادت وریاضت : 34

علامہ اویسی علیہ الرحمہ کا عشقِ رسول ﷺ : 35

نعت خوانی : 36

مسلکِ اہل سنت پر استقامت اور نظریاتِ امام احمد رضا کا پرچار: 37

اولادِ فیضِ ملت: 37

فیضِ ملت کی روحانی اولاد: 38

وصالِ پُر ملال: 39

فصلِ ثانی : 40

مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات: 40

فیضِ ملت علیہ الرحمہ کی تدریسی خدمات: 40

ابتدائے تدریس: 41

فیضِ ملت کا اندازِ تدریس: 41

فیضِ ملت کی تدریس کے متعلق آپ کے ایک شاگرد کی تحریر: 41

دورۂ تفسیرِ قرآن اور فیضِ ملت: 42

مقاماتِ دورۂ تفسیرِ قرآن اور مشہور تلامذہ کے اسمائے گرامی: 42

صوبہ پنجاب میں دورۂ تفسیرِ قرآن: 42

صوبہ پنجاب کے مشہور تلامذہ: 43

صوبہ سندھ میں دورۂ تفسیرِ قرآن: 43

سندھ کے مشہور تلامذہ: 43

صوبہ بلوچستان میں دورہ تفسیر القرآن: 44

بلوچستان کے مشہور تلامذہ: 44

بیرونِ ملک کے مشہور تلامذہ: 44

فیضِ ملت علیہ الرحمہ کی تقریری خدمات: 45
خطابت کی تعریف : 45
مقصدِ تقریر و خطابت: 45
تقریر و خطابت کی اقسام: 45
کامیاب مقرِّر کی صفات: 46
تقریر کی اہمیت: 46
فیضِ ملت کی تقریری خدمات: 47
یارسول اللہ کانفرنس فروری ۱۹۹۸: 47
یارسول اللہ کانفرنس دسمبر ۱۹۹۸: 47
اذان سے قبل درود و سلام: 48
فیضِ ملت علیہ الرحمہ کی تصنیفی خدمات: 49
قرآنِ کریم سے تصنیف کا ثبوت: 49
حدیثِ مبارکہ سے تصنیف کا ثبوت: 49
علامہ اویسی نوّر اللہ مرقدہ کی تبحُّرِ علمی: 50
علم التفسیر: 52
اصولِ تفسیر: 52
تفسیر کے لئے علومِ ضروریہ: 52
فیضِ ملت اور فنِ تفسیر: 52
فیضِ ملت اور کتبِ تفسیر : 53
علمِ حدیث : 54
علمِ اصولِ حدیث : 54

علمِ حدیث کی اہمیت: 54

علمِ حدیث اور علامہ اویسی علیہ الرحمہ: 55

علامہ اویسی علیہ الرحمہ کی علمِ حدیث واصولِ حدیث پر کتب: 56

علمِ فقہ: 56

علمِ فقہ کی اہمیت: 56

فیضِ ملت اور علمِ فقہ: 57

فیضِ ملت کی فقہ سے متعلق چند کتب: 57

علمِ اصولِ فقہ: 58

علامہ اویسی کی کتبِ اصولِ فقہ: 58

علمِ منطق: 58

علامہ اویسی کی علمِ منطق سے متعلق چند کتب: 58

علمِ مناظرہ: 59

علمِ مناظرہ اور علامہ اویسی علیہ الرحمہ: 59

علامہ اویسی کی علمِ مناظرہ کے متعلق چند کتب: 59

علم الصرف: 60

علامہ اویسی کی علمِ صرف سے متعلق چند کتب: 60

علم النحو: 60

فیضِ ملت علیہ الرحمہ کی نحو سے متعلق چند کتب: 60

علم الکلام: 60

علامہ اویسی کی علم العقائد والکلام سے متعلق چند کتب: 60

علم المیراث: 61

علم المیراث کی اہمیت: 61

فیضِ ملت اور کتبِ علمِ میراث: 61

فنِ شرح اور علامہ اویسی علیہ الرحمہ: 62

لمعۃ النور فی ترجمۃ شرح الصدور فی احوال الموتٰی ولقبور: 62

مجمع البرکات شرح وحواشی دلائل الخیرات: 63

مرقاۃ السالکین ترجمہ وشرح مرآۃ العارفین: 63

الحقائق فی الحدائق شرح حدائقِ بخشش: 63

بابِ دوم 64

(حدائقِ بخشش اور اس کی شروحات کا تعارف) 64

فصلِ اول: 65

حدائقِ بخشش کا تعارف: 65

مصنف کا نام: 65

شجرۂ نسب: 66

ولادتِ سعادت: 66

اعلیٰ حضرت کی تعلیم: 67

فارغ التحصیل: 68

اعلی حضرت کے مرشدِ کریم: 68

وصالِ مبارک: 69

اعلیٰ حضرت کی فنِ شاعری: 70

کلامِ رضا کا ایک حصہ نہ مل سکا: 70

حدائقِ بخشش کی چند جھلکیاں: 70

حدائقِ بخشش کے بارے میں علماء کے اقوال: 71
ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم: 73
فصلِ ثانی: 74
شرحِ حدائقِ بخشش کا تعارف اور منہج و اسلوب: 74
شرح حدائقِ بخشش کا تعارف: 74
حدائق بخشش کی شرح کیوں کی؟ حدائق بخشش کی شرح کا آغاز اور وجہ شرح: 76
الحقائق فی الحدائق (شرح حدائقِ بخشش) کا منہج و اسلوب: 77
شعر: 77
آغاز بخیر: 77
حل لغات: 77
شرح: 78
فائدہ: 78
خلاصہ شعر: 78
شرح: 78
جود و کرم میں فرق: 78
قرآن و حدیث: 79
خلاصہ: 79
حل لغات: 80
شرح: 80
فائدہ: 80
ان کی رسائی: 81

حل لغات: 81

شرح: 81

فصلِ ثالث: 82

حدائقِ بخشش کی دیگر شروحات کا مختصر تعارف: 82

۱) شرح کلام رضا فی نعت المصطفیٰ المعروف شرح حدائقِ بخشش: 82

ولادت باسعادت: 83

درس نظامی: 84

شرف بیعت: 84

شرح کلام رضا فی نعت المصطفیٰ ﷺ: 84

۲) شرح کلامِ اعلیٰ حضرت المسمّٰی بہ 'عرفانِ رضا در مدحِ مصطفیٰ': 85

۳) سراپائے مصطفیٰ از کلام رضا 86

خلاصۂ مقالہ: 87

عرض و تجاویز: 88

فہرست آیات مبارکہ: 89

مصادر و مراجع: 90


بسم الله الرحمن الرحيم
١٤٢٠ م

تصدیق نامہ:

میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مقالہ ہذا بعنوان" **مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات وخدمات** "مقالہ نگار (**محمد مجاہد رضا بن مولوی محمد اشفاق احمد**) نے میری نگرانی میں مکمل کیا۔میں ان کے منہج تحریر و تقریر سے مطمئن ہوں نیز یہ مقالہ اس سے پہلے کسی ادارے\جامعہ میں حصول سند کے لئے پیش نہیں کیا گیا۔

دستخط نگران مقالہ: ----------------

حضرت علامہ مولانا سید سجاد شاہ صاحب مدظلہ

HODریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ

کنزالمدارس بورڈ پاکستان

پی ایچ ڈی اسلامیات

اظہار تشکر

میں سب سے پہلے اپنے پیارے رب کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس پیارے رب نے مجھے اپنے پیارے آخری نبی ﷺ کے صدقے یہ توفیق بخشی کہ میں نے اپنے اس مقالہ کو بڑی محنت سے مکمل کیا۔

اور میں سب سے زیادہ شکر گزار ہوں ان شخصیات کا جن کی وجہ سے میں آج اس مقام پر ہوں۔ یہ سب میرے انتہائی معزز والدین کی دعاؤں اور محنتوں کا صدقہ ہے کہ میں اس قابل ہوا اور یہاں تک پہنچا۔ ورنہ مجھ حقیر کی کیا اوقات تھی کہ آج میں اس کام کو مکمل کر پاتا۔ بالخصوص میں اپنے والدِ مرحوم "**شیخ الحدیث والتفسیر مفتی محمد اشفاق احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ**" کا انتہائی مشکور و ممنون ہوں کہ جنہوں نے مجھے اس طلبِ علم دین کے راستے پر لگایا اور ابتدائی کتبِ درس نظامی کے چند اوراق پڑھا کر اپنے فیض سے مجھ ناچیز کو بھی حصہ عطا فرمایا۔

میں ان تمام محسنین کا بھی شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں نے آج یہ مقالہ لکھا۔ میرے شفیق اساتذہ کرام کہ جن کی بے شمار احسانات کی وجہ سے مجھ حقیر کو یہ مقام ملا کہ ان کی بدولت آج میں اپنے مقالے کو مکمل کرنے میں کامیاب ہو پایا۔

اور جن جن افراد نے میری عمومی، یا خصوصی تربیت میں اپنا وقت خرچ کیا یا اگر چہ مجھے دو حرف بھی پڑھائے ہوں۔ ان سب کی خدمت میں نہایت مؤدبانہ اور سچے دل سے اظہار تشکر پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے تمام اساتذہ، اور محسنین کو اس کا بھرپور اجر عطا فرمائے اور ان کی بے حساب بخشش فرمائے۔ ان کے علم میں عمل میں رزق میں اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔

اور میں اپنے تمام ہی دوستوں، بھائیوں، اور عزیزوں کا کہ جنہوں نے میری اس کام میں مدد کی اور مجھے تنہا نہیں چھوڑا ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ پاک ان سب کی دین و دنیا کی مشکلات میں ان کی مدد فرمائے۔ آمین بجاہ خاتم النبیین ﷺ ۔

محمد مجاہد رضا اشفاقی

انتساب:

یہ مقالہ جو "**مفتی فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات**" کے موضوع پر ہے اس کا ایک ایک حرف حضور ﷺ کی بارگاہ میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ اور اپنے پیارے آقا ﷺ کے صدقے سے **سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ** کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں اور ساتھ ساتھ اپنے مرشد **شیخ الحدیث والتفسیر مفتی محمد اشفاق احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ** کی بارگاہ میں بھی پیش کرتا ہوں کہ جن کی بدولت میں اس مقام پر ہوں۔ اور خصوصا اپنے انتہائی **شفیق والدین** اور **اساتذہ کرام** کی طرف منسوب کرتا ہوں کہ آج مجھے جو کچھ بھی مقام حاصل ہے انہی کے سبب حاصل ہے۔ بالخصوص میں اس مقالہ کا انتساب اس شخصیت کی طرف کرتا ہوں کہ جن کی مبارک ذات کے حوالے سے اس میں گفتگو کی ہے، میری مراد **قبلہ فیضِ ملت حضرت علامہ مولانا مفتی فیض احمد اویسی صاحب علیہ الرحمہ**۔

مقدمہ:

تعارفِ موضوع:(Introduction To The Topic)

"العلم باب الله الأقرب والجهل اعظم حجاب بينك و بين الله" یعنی علم، اللہ عزوجل کا قریب تر دروازہ ہے اور جہل (بے علمی) تمہارے اور خدا تعالیٰ کے درمیان سب سے بڑا حجاب (رکاوٹ) ہے۔ علم موجبِ حیات (زندگی کا باعث) بلکہ عینِ حیات اور جہل (بے علمی) موجبِ موت (موت کا سبب) بلکہ نفسِ موت ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی شیء علم سے بہتر ہوتی آدم علیہ السلام کو مقابلۂ ملائکہ (فرشتوں کے مقابل) میں دی جاتی۔

قرآنِ کریم میں علماء کے فضائل:

﴿شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ [1]

"اور اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی عزت والا حکمت والا۔!

اس آیت سے تین فضیلتیں علم و علماء کی ثابت ہوئیں:

اول: خدا عزوجل نے علماء کو اپنے اور فرشتوں کے ساتھ ذکر کیا اور یہ ایسا مرتبہ ہے کہ انتہاء نہیں رکھتا۔

دوم: ان (علماء) کو فرشتوں کی طرح اپنی وحدانیت (ایک ہونے) کا گواہ اور ان کی گواہی کو وجہِ ثبوتِ الوہیت (اپنے معبود ہونے کی دلیل) قرار دیا۔

سوم: ان (علماء) کی گواہی مانندِ گواہیِ ملائکہ کے (فرشتوں کی گواہی کی طرح) معتبر ٹھہرائی۔ [2]

حدیثِ پاک میں علماء کے فضائل:

رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر ہوا ایک عابد اور دوسرا عالم، آپ ﷺ نے فرمایا:

"فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلَى أَدْنَاكُمْ"

یعنی بزرگی و فضیلت عالم کی عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے کمتر پر۔

---

[1] (آلِ عمران:۱۸)

[2] (فیضانِ علم و علماء، ص:۹)

علم سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو علمِ اسماء (اشیاء کے ناموں کے علم) نے مسجودِ ملائکہ (فرشتوں سے سجدہ کی نعمت) اور حضرت خضر علیہ السلام کو علمِ لدنّی نے استاذی موسیٰ علیہ السلام کا شرف دلوایا اور حضرت سیدنا یوسف علیہ السلا کو علمِ تعبیر (خوابوں کی تعبیر کے علم) نے مصر کی بادشاہی اور حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کو علمِ منطق الطیر (پرندوں کی بولیاں سمجھنے کے علم) نے بلقیس سی عورت دلوائی اور حضرت سیدتنا مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو علمِ عیسی علیہ السلام نے تشنیعِ قوم (لوگوں کی ملامت) سے نجات دی۔ ایک نکتہ علمی نے مورِ ضعیف (کمزور چیونٹی) کا یہ مرتبہ کیا کہ پروردگار عزوجل نے اس کا قصہ قرآن میں بیان فرمایا۔ جو شخص علم کی قدر و منزلت جانتا ہے ساری دنیا کی بادشاہت اس کے نزدیک کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ [1]

ما قبل آیتِ مقدسہ اور حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ علم والوں کو یعنی علماءِ اسلام کو اللہ تعالی نے بے شمار فضیلتوں و برکتوں سے نوازا ہے۔ علم ایک ایسا آلہ ہے جس کے ذریعے سے انسان ذِلّت و رسوائی اور گمراہی و نا آشنائی سے نکل کر عزّت و وقار کی سعادتوں کو پالیتا ہے۔ جو شخص علم سے خالی رہا تو وہ اپنے مقصدِ تخلیق سے عاری رہا اور جس نے اسے حاصل کیا تو اس نے در حقیقت اپنے مقصدِ تخلیق کو پالیا۔

مذکورہ بالا صفات و فضائل و کمالات کے حامل علماءِ کرام میں سے ایک مشہور و معروف نامور شخصیت فیضِ ملت، مفسرِ اعظم پاکستان، پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، بانی جامعہ اویسیہ رضویہ، شیخ الاسلام، شیخ الحدیث، شیخ التفسیر، مفتی، محقق و مصنف کتب کثیرہ، الحاج، حافظ فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ جن کا تذکرۂ خیر ہمارے اس مقالہ بنام "مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات" میں کیا جارہا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ تاریخِ اسلام ہی کے نہیں، بلکہ تاریخ عمومی میں بھی وہ مصنف اور مولف ہیں، جنہوں نے چار زبانوں یعنی اردو، فارسی، سرائیکی اور عربی میں پانچ ہزار کے قریب رسائل مختلف علوم و فنون کے عناوین پر لکھے ہیں۔

تاریخ میں ایسا مصنف نہیں ملتا جس نے علومِ عقلیہ و علومِ نقلیہ کی تقریباً تمام جہتوں میں اور وہ بھی ایک سے زیادہ زبانوں میں تصنیفات لکھی ہوں، مگر اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ کے علوم کے وارثین میں سے فیضِ ملت کو منتخب فرمایا اور انہیں دونوں جہتوں کے علوم کا ماہر بنایا، ان کے قلم سے تقریباً پانچ ہزار تصنیفات قلم بند کروائیں، تاکہ دنیا محوِ حیرت میں رہے، ایمان والوں کا یقین اور پختہ ہو کہ جب فخرِ سادات حضرت محمد ﷺ کے ایک امتی کے علم کا یہ عالم ہے تو خود اس ذات ﷺ کے علم کا کیا عالم ہوگا۔ آپ ﷺ تمام علوم کے جامع ہیں، اللہ نے کوئی علم ایسا نہ تھا جو آپ ﷺ کو نہ دیا ہو اور آپ ﷺ نے یہ علم اولاً صحابہ کرام علیہم الرضوان میں منتقل فرمایا، پھر حسبِ ضرورت اللہ نے جہاں جس کے لیے چاہا، اسے اتنا علم دیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نمود و نمائش، سمعہ و ریاکاری سے اپنا دامن بچاتے ہوئے خلوصِ للّٰہیت کیساتھ دینِ متین کی ہمہ وقت خدمت میں مصروف رہے۔ تاقیامِ قیامت میدانِ علم کے شہسواروں میں آپ کا نام مثلِ شمس تابندہ رہے گا۔

---

[1] (فیضانِ علم و علماء، ص:۲۵)

اہمیتِ موضوع:(Importance Of The Topic)

سوانح نگاری و دینی خدمات بنیادی طور پر کسی شخص کی زندگی کے حالات بیان کرنے کا نام ہے اس اعتبار سے کہ دوسرے افراد بالخصوص عام عوام کو کسی مخصوص "شخصیت" کی زندگی کے تجربات سے آگاہ کیا جاسکے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس شخصیت کی زندگی کے کارہائے نمایاں، جن میں نوعِ انسانی کو فائدہ پہنچا ہو اور لوگوں کے لیے ایک مثالی نمونہ پیش کرنے کا نام ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ ماضی کی وہ شخصیات جنہیں ہم بھول جاتے ہیں، انہیں دوبارہ یاد کیا جائے، اور انہیں خراجِ تحسین پیش کیا جاسکے۔ ان سب کے علاوہ سوانح نگاری، تاریخ نویسی تحقیق کی بھی ایک قسم ہے۔ یہ ایک طرح کے تاریخی دستاویزات کا کام بھی کرتی ہے۔ انہیں شخصیات میں سے ایک اہم شخصیت فیضِ ملت فیض احمد اویسی رحمتہ اللہ علیہ بھی ہیں۔ جن کے کارناموں کی شعاؤں سے آج ساری دنیا روزِ نہار کی طرح روشن ہے۔ آپ نے تقریباپانچ ہزار علوم وفنون پر اپنی تصانیف چھوڑیں، تقریر میں اپنی مثال آپ رہے اور تدریس میں بھی یکتا تھے۔ ان تمام خدماتِ اویسی کو اس مقالہ میں لکھنا نہایت ضروری و اہم ہے تاکہ عوام وخواص سبھی کو آپ کی خدمات سے آگاہ کیا جائے اور آپ کی کتب کو شائع کرنے پر ابھارا جائے۔

اسبابِ انتخابِ موضوع:(Reasons For Choosing The Topic)

میرے مقالہ کا موضوع "مفتی فیض احمد اویسی رحمتہ اللہ علیہ کی حیات وخدمات" ہے۔ اس موضوع کو منتخب کرنے کا ایک مقصد توفیضِ ملت سے بوسیلۂ مطالعہ فیض حاصل کرنا ہے اور مقصدِ ثانی یہ ہے کہ آپ کی تصنیفی، تقریری اور تدریسی خدمات سے لوگوں کو باخبر اور آپ کی تعلیمات کو لوگوں میں عام کیا جائے۔ مزید یہ بھی کہ آپ کی خدمات کے متعلق قلم اٹھانے سے مجھ گنہگار میں جذبۂ تصنیف و تالیف پیدا ہو جائے اور فیضِ ملت کی خدمات کو زندہ کرنے والوں میں فقیر کا نام بھی شمار کیا جائے۔

سابقہ کام کا جائزہ:(Review Of Literature)

قبلہ فیضِ ملت علامہ فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کی شخصیت پر بہت سے لوگ ابھی تک پی ایچ ڈی P.H.D بھی کر چکے ہیں۔ اور آپ کے محبین آج تک آپ کی تحقیقات کا اور آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرنے میں لگے ہیں اور ان سے جدید سے جدید تر مسائل اخذ کر رہے ہیں۔

میرے اس موضوع کا انتخاب کرنا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قبلہ فیضِ ملت سے محبت و عقیدت ہے دوسرا یہ کہ دنیا کو سیرتِ فیضِ ملت سے اگاہ کیا جائے اور ان کے علمی کارناموں کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے جو کہ تمام تشنگان علم دین کے لئے مفید ہو۔ محققین کے طریقے کو دیکھتے ہوئے اور ان سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے موتیوں کو اخذ کر کے اپنے اس مقالہ کی زینت بنایا ہے۔

سابقہ بھی بہت سے محققین نے فیضِ ملت پر لکھا ہے اور بہت عمدگی سے ان کی زندگی کے پہلو کو ان کی تعلیم اور علمی کارناموں کو سرانجام دیا ہے۔ بس انہیں سے استفادہ کرتے ہوئے خاکسار نے اس کو اپنے مجموعہ میں نقل کیا۔

منہج تحقیق:(Research Methodology)

ا۔میں نے اپنے اس مقالہ میں بیانیہ، تقابلی، تجزیاتی طرز تحقیق اختیار کیا ہے۔

۲۔حوالہ جات اور دیگر تحقیق میں **کنزالمدارس اہلسنت پاکستان** کے فارمیٹ پر عمل کیا ہے۔

۳۔ تخریج کرتے ہوئے بنیادی ماخذ سے ہی استفادہ کیا ہے۔

4۔ قرآنی آیات کاترجمہ "کنزالایمان" از مولاناالشاہ امام احمد رضاخان علیہ الرحمۃ سے کیا ہے۔

۵۔کتابوں کے ساتھ ساتھ جدید الیکٹرونک ذرائع مثلاانٹرنیٹ وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔

۶۔قدیم کتب کے ساتھ ساتھ جدید کتب سے بھی استفادہ کیا ہے۔

۷۔قدیم وجدید تحقیقات کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

باب اول

(تعارفِ فیضِ ملّت مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

فصلِ اول:

مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف

اللہ تبارک و تعالی کا فرمان: ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ [1] ترجمہ کنز الایمان: "اور ہر علم والے پر ایک علم والا ہوتا ہے"۔اس آیتِ مبارکہ کے تحت مفسّرِ قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ "ہر عالم کے اوپر اس سے زیادہ علم رکھنے والا ہوتا ہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ اللہ تبارک و تعالی کی ذات تک پہنچتا ہے اور اس کا علم سب کے علم سے برتر ہے"۔

مذکورہ آیت مبارکہ کو بطورِ تبرّک پیش کیا گیا ہے کہ مذکورہ آیتِ مبارکہ میں عالمِ دین کا ذکر ہے اور اس مقالے میں بھی ایک عظیم عالمِ دین کا ذکرِ خیر ہے کہ جو حافظ ، قاری، عالم، مفتی، محدّث، مقرّر، مبلّغ، مدرّس، مصّنف، محقّق، مولّف، مترجم اور صوفی بزرگ میری مراد حضرت علّامہ مولانا ابو صالح حضور فیضِ ملّت مفتیِ اسلام محدِّث بہاولپور شیخ محمد فیض احمد اویسی رحمتہ اللہ تعالی علیہ جن کا تذکرۂ خیر تعارف کی صورت میں درج ذیل ہے

نامِ مبارک:

آپ کا نامِ مبارک محمد فیض احمد بن نور احمد بن حامد بن کمال ہے

کنیت:

آپ کی کنیت آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے مرحوم محمد صالح (شہید) کی نسبت سے ابو صالح ہے

نسب شریف:

آپ کے نسب مبارک کو ایک خاص نسبت حاصل ہے کہ آپ کا نسب مبارک نبی کریم ﷺ کے محبوب چچا جان حضرت سید نا عباس رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے مزید یہ بھی کہ آپ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمتہ اللہ تعالی علیہ کے مقلِّد تھے اور آپ نے سلسلہ اویسیہ کے سرچشمہ حضرت مولانا محکم الدین میرانی رحمتہ اللہ علیہ (جن کا مزار بھارت میں ہے) کے سجادہ نشین حضرت مولانا خواجہ محمد دین رحمتہ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت لی تھی۔۱۳۸۱ھ میں ان کے وصال کے بعد آپ نے بواسطہ حضرت علامہ حسن علی رضوی میلسی رحمتہ اللہ علیہ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا خان رحمتہ اللہ تعالی علیہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا، گویا اگر غور کیا جائے تو آپ نسبًا عباسی، مسلکًا حنفی اور مشربًا اویسی قادری رضوی تھے۔[2]

---

[1] (سورۃ یوسف:۷۶)

[2] (مقصود نوشاہی اویسی، یاد گارِ فیضِ ملت، فیض رضا پبلیکیشنز کراچی، ص۷)

ولادتِ باسعادت:

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان: ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ [1]

یعنی "اس نے انسان کو پیدا فرمایا" کی روشنی میں فیضِ ملّت رحمتہ اللہ علیہ کی ولادتِ باسعادت کا ذکرِ خیر درج ذیل ہے:

آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۳۵۱ھ بمطابق ۱۹۳۲ء کو ضلع رحیم یار خان کے ایک چھوٹے سے گاؤں کندلاں میں پیدا ہوئے جو پہلے مشہور نہیں تھا لیکن فیضِ ملّت رحمتہ اللہ علیہ کے جلوہ گر ہونے سے وہ گاؤں ہی کیا بلکہ وہ شہر بھی مشہور ہو گیا۔ آپ کے گاؤں کی ایک خصوصیّت یہ ہے کہ آپ نے خود اپنے گاؤں کا نام شہزادہ اعلیٰ حضرت حضرت علامہ مولانا حامد رضا خان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور اپنے دادا مرحوم مولانا حامد میاں صاحب کی نسبت سے حامد آباد تجویز فرمایا اور آج تک یہی نام مشہور و معروف ہے [2]

خاندانی پس منظر:

حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی بن مولانا نور احمد بن مولانا حامد بن کمال قوم لاڑ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابو صالح آپ رحمتہ اللہ علیہ کی کنیت ہے آپ نسبتاً عباسی، مسلکاً حنفی مشرباً اویسی، قادری رضوی ہیں۔ حضرت مفتی محمد فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کا سلسلہ نسب عمّ مصطفی ﷺ حضور سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے اور یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے اور آج مفسر قرآن اور عالم باعمل ہونے میں اس خاندانی نسبت کا بھی بہت بڑا حصہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب آپ کے جدِّ بزرگوار حضرت امام المفسرین عبد اللہ بن عباس، ہیں تو ان کی قرابت کے فیض سے آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے علومِ اسلامیہ کی دولت سے سرفراز فرمایا تھا۔ علامہ اویسی علیہ الرحمہ کے خاندان میں شروع ہی سے اسلام پر جانیں قربان کرنے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ [3]

مولانا محمد حامد رحمتہ اللہ علیہ نے درس نظامی کی کتب پڑھنی شروع کی مگر خاندانی مصروفیات کی وجہ سے صرف فارسی کتب پڑھ سکے اور خاندانی ذریعہ معاش کھیتی باڑی میں مصروف ہو گئے۔ آپکے والد محترم حضرت مولانا میاں نور احمد رحمتہ اللہ علیہ بھی صرف فارسی کتب ہی پڑھ سکے چونکہ اس دور میں فارسی زبان کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ پہلے پاک وہند میں سرکاری زبان فارسی تھی مگر انگریز نے آکر انگلش زبان کو سرکاری قرار دیدیا۔

---

[1] (سورۂ علق: ۲)

[2] (محمد اعجاز اویسی، مظلوم مصنف، حصہ اول، غیر مطبوعہ، ص ۹)

[3] (محمد فیض احمد اویسی، فیوض الرحمن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان مترجم، مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور، ج ۱، ص ۱۲)

مولانا فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ کے آباواجداد کی دینی وملی خدمات:

حضرت مولانا محمد فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم حضرت علامہ مولانا میاں نور احمد رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے برادر اکبر مولانا الٰہی بخش صاحب نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہر محاذ پر ہندو اور سکھوں کا مقابلہ کیا۔ قیامِ پاکستان کے وقت علامہ اویسی کی عمر مبارک ۱۵ سال تھی۔ ریاست بہاولپور کے ضلع رحیم یار خان میں تحریک قیام پاکستان کی راہ ہموار کرنے کے لئے آپ نے اپنے نوجوان ساتھیوں سے مل کر بہت کام کیا۔ آپ کے والدِ محترم اور برادر دو قومی نظریہ کے زبردست حامی تھے کہ مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ ملک ہونا چاہیے جہاں وہ اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اس طرح سب مسلمانوں کی کوششوں اور دعاؤں کے نتیجے میں ملک پاکستان معرض وجود میں آیا اور الحمد للہ آج پاکستان پوری دنیا کے مسلم ممالک کے لئے ایٹمی قوت کے اعتبار سے امام کی حثیت رکھتا ہے۔[1]

ابتدائی تعلیم:

علامہ اویسی نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد مولانا نور احمد اویسی صاحب علیہ الرحمہ سے حاصل کی۔ تقریباً پانچ سال کی عمر میں والد صاحب سے دو سال میں ناظرہ قرآن مجید مکمل کر کے اپنے قریبی قصبہ ترنڈہ میر خان کے اسکول میں داخل ہوئے۔ ۱۹۴۲ء میں پرائمری کی پانچ جماعتیں پاس کیں۔ والدِ ماجد کی تمنا کے مطابق حافظ جان محمد صاحب قریہ کنلاں کے پاس حفظ قرآن کرنے کے لئے بھیجا۔ ڈیڑھ سال تک صرف آٹھ پارے حفظ ہو سکے چوں کہ ان کے ہاں مستقل تعلیم کا انتظام نہیں تھا بنابریں وہاں سے خانقاہ حضرت جیٹھ بھٹہ نزد خان پور کٹورہ کے مدرّس حضرت مولانا حافظ سراج احمد علیہ الرحمہ کی خدمت میں جا پہنچے ۔ڈیڑھ سال میں اُن کے پاس اٹھارہ پارے حفظ ہو سکے۔ پچیس پارے حفظ ہونے کے بعد وہاں سے حضرت محبوب الٰہی خواجہ خدا بخش چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی نگری خیر پور ٹامیوالی ضلع بہاولپور حضرت حافظ غلام یٰسین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضری دی اور ۱۹۴۷ء میں مکمل قرآن مجید حفظ کر لیا اور پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے خان پور کٹورہ میں پہلی بار تراویح میں مکمل قرآنِ مجید سنایا اور اسی ماہِ مقدس کی ۲۷ ویں شب کو پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔[2]

حفظ القرآن کی نعمت:

اللہ تعالٰی نے آپ کو حفظ القرآن کی نعمت سے نوازا تھا۔ رمضان المبارک ۱۹۴۷ء میں آپ نے پہلی مرتبہ نماز تراویح میں قرآن پاک کا ختم خانپور کٹورہ ریلوے اسٹیشن سے ملحق مسجد مستری کمال الدین والی میں سنایا پھر زندگی بھر جب تک صحت قائم رہی رمضان المبارک میں تراویح میں کئی ختمات قرآن پاک کرتے رہے، منزل نہایت ہی پختہ تھی۔

[1](ماہنامہ فیضِ عالم، اگست ۲۰۱۴ء، محمد فیض احمد اویسی، جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

[2](مفتی عبد الرحمن نقشبندی کہروڑ پکا، مقالہ حضرت مفتی محمد فیض احمد اویسی، غیر مطبوعہ)

آغازِ درسِ نظامی:

حضرت مولانا فیض احمد ویسی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان دیہات میں رہتا تھا اس لیے خاندان میں کوئی بڑا نامور عالمِ دین نہیں بنا، نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میرے موجد اعلیٰ مولانا محمد حامد رحمۃ اللہ علیہ نے دینی علوم پڑھنے شروع کیے لیکن گھریلو مصروفیات کی وجہ سے وہ صرف چند فارسی کتب ہی پڑھ سکے۔ اُن کے بعد آپ کے والد ماجد حضرت مولانا میاں نور احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی خاندانی مصروفیات کی وجہ سے صرف فارسی ہی پڑھ سکے۔ مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کئی بیٹے پیدا ہوئے مگر اُن میں سے صرف دو ہی زندہ رہے اور باقی سب اللہ تعالیٰ عزّ و جلّ کو پیارے ہو گئے۔ قبلہ اویسی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی مولانا الٰہی بخش صاحب اپنے والد کے موروثی امور کے وارث بنے جبکہ دوسرے صاحبزادے کو دنیا فیضِ ملّت مفسّرِ اعظم پاکستان مفتی محمد فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ستمبر ۱۹۴۷ء میں درس نظامی کی کتب پڑھنے کا آغاز کیا صرف ایک سال کے اندر فارسی کی متعدد کتب حضرت علامہ مولانا اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ترنڈہ محمد پناہ میں پڑھیں جن میں سے کریما، نامِ حق، پند نامہ، بدائع منظوم، گلستان، بوستان، یوسف زلیخا، سکندر نامہ، اور مثنوی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ آپ فارسی کی کتب کی فارسی میں ترکیب پر بڑی مہارتِ تامہ رکھتے تھے اور فارسی اشعار اس طرح یاد تھے جیسے حافظِ قرآن کو سورۃ فاتحہ یاد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑا قوی حافظہ عطا فرمایا تھا۔

اعلیٰ تعلیم کیلئے مختلف مدارس کا سفر:

مولانا فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ نے ۱۹۴۸ء کے اواخر میں صرف و نحو کا آغاز مولانا پیر خورشید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس (ضلع رحیم یار خاں کے گاؤں پائی آہنہ) حاضر ہو کر کیا اور بڑی محنت کے ساتھ ابتدائی کتب پڑھیں۔ مختصر معلومات کے مطابق شرح جامی، ہدایہ، مختصر المعانی، حسامی، جلالین وغیرہ کتب تک اکتسابِ فیض کیا۔ اور اسکے بعد کچھ کتب حضرت علامہ مولانا مفتی سراج احمد مکھن بیلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھیں پھر بقیہ درس نظامی کی کتب موقوف علیہ تک حضرت علامہ مولانا عبد الکریم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خانقاہ پر اراں شریف نزد لیاقت پور میں پڑھیں۔[1]

دورہ حدیث شریف کے لیے جامعہ رضویہ فیصل آباد کا سفر:

علامہ اویسی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۵۱ء میں دورہ حدیث شریف کیلئے عالم اسلام کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ رضویہ لائل پور (فیصل آباد) میں محدّث اعظم پاکستان محمد سردار احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس داخلہ لیا۔ اور ۱۹۵۲ء میں دورہ حدیث شریف کی تکمیل پر آپ کے سرِ مبارک پر حضرت علامہ محمد سردار احمد قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک سے دستارِ فضیلت سجائی گئی اور سندِ حدیث عنایت فرمائی۔ علامہ اویسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ پورے دورہ حدیث شریف میں سب سے زیادہ کتبِ حدیث شریف کی عبارت آپ نے پڑھی اور شیوخِ حدیث کے علمی مَوتیوں کو زینتِ قرطاس کرنے کا شرف بھی حاصل کیا۔[2]

---

[1] (مفتی عبد الرحمن نقشبندی کہروڑ پکا، مقالہ حضرت مفتی محمد فیض احمد اویسی، غیر مطبوعہ)

[2] (مفتی عبد الرحمن نقشبندی کہروڑ پکا، مقالہ حضرت مفتی محمد فیض احمد اویسی، غیر مطبوعہ)

علامہ فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کے اساتذہ کرام:

کسی بھی چیز کی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کیلئے ایک معمار کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ایک انسان جو بالکل سفید کورے کاغذ کی طرح ہوتا ہے اس کی ظاہری، باطنی نشوونما اور ذہنی تربیت کرکے معاشرے کا مصلح اور مبلغ بنانے کیلئے ایک استاد کا کردار بہت اہم ہوتا ہے اس لئے استاد ایک معمار کی حیثیت رکھتا ہے اسی لئے استاد کو مربّی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک انسان کو آہستہ آہستہ زوال سے درجہ کمال تک پہنچا دیتا ہے۔ لہذا جتنا معمار اور مربی ماہر اور اچھا ہو گا اتنا ہی عمارت اور تربیت میں نکھار آئے گا۔ جیسا کہ آج سے چودہ سو سال قبل حضور سرورِ کائنات ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ایسے انوکھے اور دلنشین انداز سے پڑھایا اور تربیت فرمائی کہ وہ صحابہ کرام، "الصحابة کلهم عدول" کا نقشہ پیش کرتے ہوئے قیامت تک کے لئے پوری اُمّتِ مسلِمہ کیلئے مثال بن گئے۔

حضرت مولانا محمد فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ کِرام میدانِ تدریس کے شہسوار اور اپنی مثال آپ تھے، وہ نہ صرف مسلّمہ مدرِّس تھے بلکہ مدرِّس بنانے والے تھے، نہ صرف مؤلف تھے بلکہ مؤلف بنانے والے تھے، نہ صرف عالم تھے بلکہ عالم بنانے والے اور طلباء کے دل میں عملی جذبہ پیدا کرنے والے تھے۔ فیضِ ملّت علیہ الرحمہ کے چند مشہور اساتذہ کرام کے نام درج ذیل ذکر کئے جا رہے ہیں:

- مفتی اعظم و محدّثِ اعظم پاکستان پولانا سردار احمد قادری صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت علامہ خورشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت علامہ سراج احمد مکھن بیلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- علامہ حکیم اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- قاری محمد یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت علامہ مولانا عبد الکریم فیضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- قاری جان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- مولانا کریم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ [1]

---

[1] (محمد مقصود نوشاہی اویسی، یادگارِ فیض ملّت، فیض رضا پبلیکیشنز کراچی، ص ۲۴)

حضرت مولانا فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کا سلسلہ بیعت و خلافت:

علامہ عبد الرحمن نقشبندی فاضِل جامعہ اویسیہ رضویہ بہاوپوراا پنے ایم اے اسلامیات کے مقالہ میں علامہ اویسی نوراللہ مرقدہ کے سِلسلہ بیعت کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اس پر فِتن اور پر خوف وخطر راستے کی ہولناک گھاٹیوں کو عبور کرنے میں ٹھوکروں سے بچنے کے لئے اور فلاح پانے کے لئے خواہ فلاح ظاہری ہو یا فلاح باطنی پیرومرشِد ضروری ہے۔ مرشِد بھی ایسا ہونا چاہئے جو خودکسی ایسے سِلسلہ میں داخل ہو جو جناب رسولِ اکرم ﷺ تک پہنچتا ہو جیسے تسبیح کے دانے ایک دوسرے کے ساتھ ملکر ایک سلسلہ کا حکم رکھتے ہیں۔ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فیض احمد اویسی صاحب علیہ الرحمہ نے سلف صالحین کے طریقے پر چلتے ہوئے اور مشکلات کے پیشِ نظر مرشِد کامل کا انتخاب فرمایا۔ اور آج کل کے دور میں مرشِد کامل بھی ناپید ہیں مگر علامہ اویسی صاحب علیہ الرحمہ کو یہ نسبت بھی بڑی اعلیٰ ملی جو ظاہر و باطن، اسرار و رموز سے مالامال تھے آپ نے حضرت خواجہ الحاج محمد الدین اویسی رحمتہ اللہ علیہ (سجادہ نشین دربار عالیہ خواجہ محکم الدین سیرانی اویسی قدس سرہ، خانقاہ شریف، بہاولپور) کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ خواجہ محمد الدین اویسی رحمتہ اللہ علیہ عاشقِ رسول ﷺ خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے روحانی خلیفہ حضرت حافظ عبد الخالق اویسی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ارشد تھے۔ علامہ اویسی علیہ الرحمہ سلسلہ عالیہ اویسیہ کے ساتھ ساتھ سِلسلہ عالیہ قادریہ سے بھی مستفیض ہوئے۔ آپ کو امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کے شہزادے مفتی مصطفیٰ رضا خاں قادری بریلوی رحمتہ اللہ علیہ سے قادری نسبت کی دولتِ ابدی بھی حاصل تھی۔ [1]

حضرت علامہ فیض احمد اویسی نوراللہ مرقدہ کے مشائخ عظام:

علامہ اویسی نوراللہ مرقدہ کو جن مشائخ عظام سے بیعت و خلافت حاصل تھی وہ سب کے سب طریقت و شریعت کے عاملین تھے۔ ایک موقعہ پر آپ نے حضرت مولانا محمد شہزاد قادری ترابی مدیر ماہنامہ تحفظ کراچی کو انٹرویو دیتے ہوئے بیعت کے حوالہ سے فرمایا کہ "میرے بیعت ہونے کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ ہم آباؤاجداد سے اسی سلسلہ اویسیہ سے اسی درگاہ سیرانی سے وابستہ تھے۔ میرے پیر و مرشد حضرت الحاج محمد الدین اویسی حنفی علیہ الرحمہ شریعت کے سخت پابند تھے۔ مریدین کو بھی اسی راہ پر لگاتے۔ میں تعلیمی اعتبار سے مبتدی تھا۔ مجھے مرشد کی یہ ادا پسند آتی اسی لئے ان سے بیعت ہو گیا"۔ حضرت مرشِد کریم کی بھی آپ سے خصوصی شفقت ہو گئی تھی۔ حفظ القرآن کے بعد حضرت الحاج محمد الدین اویسی حنفی علیہ الرحمہ نے ہی آپ کو علوم عربیہ پڑھنے کا حکم فرمایا تھا اور تا وصال خصوصیت سے آپ کی علمی و عملی تربیت فرمائی وصال کے بعد بھی ان کی نگاہ کرم تاحال جاری و ساری ہے۔ [2]

---

[1] (مفتی عبد الرحمن نقشبندی کہروڑ پکا، مقالہ حضرت مفتی محمد فیض احمد اویسی، غیر مطبوعہ)

[2] (ماہنامہ تحفظ، محمد شہزاد قادری، کراچی)

آپ شجرہ شریف اویسیہ قادریہ کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں کہ الحمدللہ آپ پیدائشی بلکہ آباؤاجداد سے سلسلہ اویسیہ سے منسلک تھے۔ علامہ اویسی صاحب حضرت خواجہ الحاج محمد الدین اویسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت ہوئے۔ آپ حضور خواجہ محمد عبد اللہ المعروف بہ محکم الدین سیرانی قدس سرہ سرکار کی بارگاہ کے سجادہ نشین تھے۔ ان کے وصال کے بعد حضرت خواجہ الحاج محمد سلطان بالادین اویسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت بابرکت میں زندگی بسر کی۔ اسی لئے علامہ اویسی کی آرزو تھی کہ اویسی قادری رہوں اور اویسی قادری مروں اور قیامت میں اویسی قادری اُٹھوں۔ آپ سلسلہ قادریہ کے ساتھ ساتھ سلسلہ اویسیہ میں بھی اہل اسلام کو داخل کرتے تھے۔[1]

سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی نوّر اللہ مرقدہٗ سے علامہ اویسی علیہ الرحمہ کی عقیدت:

اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان: ﴿اَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ یعنی "سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے "[2]۔ مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں اولیاءِ کرام کا ذکرِ خیر ہے اور اولیاء اللہ کی تعریف کے متعلق حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: 'اللہ کے اولیاء سے مراد وہ نیک لوگ ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ کی یاد آجائے'۔

اولیاء اللہ کی بات ہو تو ہر عاشق رسول کا ذہن فوراً اولیاء اللہ کے سردار، حضور غوثِ پاک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف بدیہی طور پر منتقل ہو جاتا ہے کہ غوثِ پاک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اولیاء کے سردار اور ہر ولی کی گردن پر اپنا قدم مبارک رکھنے والے بزرگ ہستی ہیں یہ ایسی شخصیت ہیں کہ انہیں تعارف کی حاجت نہیں بلکہ تعارف ان کا محتاج ہے۔ امامُ الاَولیاء، قادریوں کے پیشوا، قُطب اور غوث آپ کے مشہور القابات ہیں ۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی اس اُمت کیلئے باعث نزولِ رحمت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ تمام ہی اولیاء اللہ آپ کے دربارِ مبارک سے مستفید ہوئے۔ آپ کا فیضان سِلسلہ قادریہ کی صورت میں پورے عالَم میں جاری وساری ہے بلکہ تمام سلاسِلِ طریقت درحقیقت آپ ہی کی ذات سے فیض یاب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب پر بے شمار کتب لکھی جاچکی ہیں۔ علامہ اویسی نے بھی سرکار غوثِ پاک رضی اللہ عنہ سے فیض یاب ہونے اور حقّ غلامی ادا کرنے کی غرض سے آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق کئی تحقیقی و علمی کتب لکھی ہیں بلکہ آپ کی غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے محبت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اکثر اوقات اگرچہ موضوع بظاہر مختلف ہوتا تھا اور اسے غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے متعلق نسبت نہ بھی ہوتی تب بھی آپ کلام ہی کلام میں حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کا ذکرِ مبارک فرمادیتے تھے۔[3]

---

[1] (محمد فیض احمد اویسی، شجرہ اویسیہ قادریہ، بزم فیضان اویسیہ کراچی۔ ص ۲)

[2] (یونس:۶۲)

[3] (محمد اعجاز اویسی، مظلوم مصنف، حصہ اول، غیر مطبوعہ)

سرکار غوثِ پاک شہنشاہِ بغداد رضی اللہ عنہ سے عقیدت ومحبت علامہ اویسی نوراللہ مرقدہ کی رگوں میں شامل تھی بلکہ آپ کی گھٹی میں شامل تھی اور آپ درِ غوثِ پاک کی گدائی پر ہمیشہ نازاں رہے۔ عقیدت ومحبت کا اظہار آپ نے عملاً بھی کیا۔ علامہ اویسی قدس سرہ نے ۱۹۶۶ء میں بہاولپور میں جامع مسجد سیرانی کا سنگِ بنیا درکھا اور مسجد کے جنوبی جانب تقریباً ایک سوفٹ بلندی کا مینار تعمیر کرایا جس کا نام مینارِ غوثیہ رکھا۔ ۱۹۹۸ء سے آپ کی سرپرستی میں ماہنامہ فیض عالم بہاولپور کا اجراء ہوا تو آپ نے اندرون ٹائٹل پر جلی حروف کے ساتھ 'بطفیل محبوب سبحانی قطب ربانی یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئًا للہ مدد کن فی سبیل اللہ' لکھنے کا حکم فرمایا۔ ماہانہ گیارہویں شریف کا ختم تو آپ کے معمولات میں شامل تھا۔ اب بھی آپ کے مزار شریف پر ہر ماہ چاند کی پندرہ تاریخ کو بعد نمازِ عصر ختم قادریہ شریف کا اہتمام ہوتا ہے۔ جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور میں ہر سال ربیع الآخر شریف میں بڑی گیارہویں شریف کی تقریب نہایت ہی مذہبی جوش وجذبہ سے منائی جاتی ہے۔ علامہ اویسی نوراللہ مرقدہ پر سید الاولیاء سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا خاص کرم ہے۔ علامہ اویسی قدس سرہ ۱۹۶۳ء سے ۲۰۱۰ء تک جامع مسجد سیرانی بہاولپور میں جمعتہ المبارک میں خطاب فرماتے رہے الّاماشاءاللہ کوئی جمعہ کی تقریر ایسی نہیں جس میں غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر آپ نے نہ فرمایا ہو۔

امام احمد رضاخان بریلوی علیہ الرحمہ سے علامہ اویسی علیہ الرحمہ کی عقیدت:

حضرت علامہ اویسی قدس سرہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ سے نہایت ہی عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ آپ نے اس کا اظہار بھی فرمایا مثلاً اپنے آبائی گاؤں کا نام اپنے جدامجد مولانا محمد حامد اویسی اور امام احمد رضا کے صاحبزادے علامہ محمد حامد رضا کے نام پر حامد آباد رکھا۔ آپ نے اپنے تعلیمی ادارہ کا نام خواجہ اویس قرنی سہیل الیمنی، کی نسبت سے اویسیہ اور امام احمد رضا کی نسبت سے رضویہ تجویز کیا۔ (الحمدللہ یہ مدرسہ دینی تعلیم اور مسلکِ رضا کے فروغ کے لیے ملکِ پاکستان میں عظیم ادارہ ہے جہاں سے ہزاروں تشنگانِ علوم اپنی پیاس بجھارہے ہیں)۔ جون ۱۹۹۸ء سے ان کی سرپرستی میں شائع ہونے والے جریدہ ماہنامہ فیض عالم بہاولپور کے سرورق پر آپ نے بفیضان کرم امام احمد رضاخان علیہ الرحمۃ والرضوان لکھنے کا حکم فرمایا۔ آپ تقریباً اپنی ہر تصنیف (کتاب، رسالہ) میں امام احمد رضا کی تحقیق کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔[1]

امام احمد رضاخان بریلوی علیہ الرحمہ اور علامہ اُویسی صاحب علیہ الرحمہ:

امام احمد رضا محدث بریلوی کی ولادت ۱۸۵۶ء میں ہوئی۔ امام احمد رضا نے علومِ عقلیہ ونقلیہ پر ایک ہزار سے زائد کتب چھوڑیں۔ آپ نے ۵۵ علوم وفنون پر اپنی تصانیف کا عظیم علمی ذخیرہ چھوڑا۔ ماضی قریب میں آپ جیسا عظیم المرتبت مصنف دنیا اسلام کو میسر نہیں آیا۔ اور یہ عظمت بھی اہل سنت کے ہی حصے میں آئی کہ امام احمد رضا کے مختلف علوم پر لکھی جانے والی تصانیف کا ذکر ممکن نہیں۔ امام احمد رضا نے جو کمال علمی ذخیرہ چھوڑا ہے اس کے ایک صحیح وارث علامہ اویسی بھی تھے۔ اور یوں اس صدی کا عظیم مصنف اور امام احمد رضا کا ثانی ہونے کا شرف بھی علامہ اویسی کو حاصل ہوا ہے۔ علامہ اویسی اور امام احمد رضا میں بہت چیزیں تصانیف کے حوالے سے مشترک ہیں۔ مگر امام احمد رضا نے اپنی کتب زیادہ تر علماء کیلئے لکھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زبان

---

[1] (محمد فیض احمد اویسی، فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان مترجم، پارہ اول، مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

وبیان مشکل ہے جبکہ علامہ اویسی نے علماء اور عوام دونوں کیلئے لکھی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ زبان آسان اور سلیس ہے۔ علامہ اویسی صاحب کو امام احمد رضا کا ثانی سمجھا جاتا ہے اس دور میں امام رضا کا ثانی ہونا محض مبالغہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے اس دور کا امام احمد رضا علامہ اویسی کی ذات ہی نظر آتی ہے پورے عالم اسلام پر نظر ڈالنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے۔ اگر چہ اہل سنت کے دیگر علماء ومشائخ نے اپنے اپنے انداز میں دین کی گراں قدر خدمت کی ہے کوئی مفسر بنا تو کوئی سیرت نگار، کوئی موؤرخ اور شارحِ حدیث تو کسی نے فتوی نویسی کی۔ غرضیکہ ہر ایک نے اپنے اپنے دور اور انداز میں کمال فن سے اپنی خدمات دین کی اشاعت کیلئے پیش کی ہیں۔ سارے ہی علماء ومشائخ ہمارے لئے قابلِ احترام ہیں لیکن جو کمال علامہ اویسی کے ہاں نظر آتا ہے کہیں اور نظر نہیں آتا۔ وہاں کوئی ایک پہلو ہے لیکن یہاں ہر پہلو میں ہمہ جہت شخصیت علامہ اویسی کی نظر آتی ہے.

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اور فیضِ ملت میں مشترکات:

1 اعلیٰ حضرت نے فنِ تجوید از خود حاصل کی اسی طرح فیضِ ملت نے بھی نہ صرف فنِ تجوید حاصل کی بلکہ اس پر جامع تصانیف بھی تحریر کیں

2 اعلیٰ حضرت نے علومِ منقولہ ومعقولہ پر ۱۰۰۰ سے زائد کتب تحریر فرمائیں جبکہ فیض ملت نے تقریباً ۵۰۰۰ کتب کا ذخیرہ چھوڑا

3 اعلیٰ حضرت نے ۳ زبانوں (عربی، اردو، فارسی) پر اپنی تصانیف چھوڑیں جبکہ فیضِ ملت نے ۴ زبانوں (عربی، اردو، فارسی اور سرائیکی) پر بھی اپنی تصانیف چھوڑیں

4 اعلیٰ حضرت نے نثر و نظم دونوں پر قلم اٹھایا اسی طرح فیضِ ملت نے بھی نثر و نظم دونوں پر اپنا قلم اٹھایا

5 اعلیٰ حضرت ہر فن مولا تھے اور آپ کے فیضان سے فیضِ ملت بھی ہر فن مولا ہوئے

6 اعلیٰ حضرت ایسی باکمال شخصیت تھے کہ آپ ایک سوال پر پوری پوری کتاب لکھ دیتے تھے اسی طرح فیضِ ملت کو بھی آپ کا یہ فیضان ملا اور آپ نے بھی ایک ایک سوال پر پوری پوری کتب تصنیف فرمادیں

7 اعلیٰ حضرت نے سائنس پر کئی کتب تصنیف فرمائیں اسی طرح فیضِ ملت نے بھی قرآنِ پاک سے نئی سائنس ثابت کی اور کتب تحریر کیں

8 اعلیٰ حضرت نے فتویٰ نویسی میں فتاوٰی رضویہ جیسا عظیم الشان شاہکار چھوڑا جو آج ۳۱ جلدوں پر مشتمل ہے، بالکل اسی طرح علامہ اویسی صاحب نے بھی فتوٰی نویسی میں کمال مرتبہ حاصل کیا، آپ نے فتاوٰی اویسیہ ۸ جلدوں میں تحریر فرمایا۔

ان تمام باتوں سے اور مشترکات سے اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ ثانئ امام احمد رضا خان علامہ فیض احمد اویسی صاحب کی ذاتِ بابرکات ہی ہے اور اہلِ اسلام کو اس پر فخر ہے کہ امام احمد رضا خان کے بعد قبلہ فیضِ ملت صاحب نے حق ادا کر دیا ہے اور یقیناً ان کی یہ کاوش صدیوں تک اپنی مثال آپ ہو گی۔[1]

---

[1] (سید زاہد حسین نعیمی اویسی (راولاکوٹ آزاد کشمیر)، الحدائق میانوالی کا مفسرِ اعظم پاکستان، ماہنامہ فیض عالم بہاولپور)

فیضِ ملت علامہ اویسی صاحب علیہ الرحمہ بحیثیتِ مرشِدِ کامل:

علامہ محمد فیض احمد اویسی محدث بہاولپوری نور اللہ مرقدہ نے اس قولِ مبارک "مہد سے لحد تک علم حاصل کرو" کے مطابق اپنی ساری زندگی پڑھنے پڑھانے میں گزار دی۔ سفر وحضر اور ایامِ علالت میں بھی لکھنے لکھانے کا سِلسلہ جاری رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ بیک وقت ایک عظیم عالِم وفاضِل، مفسّر و محدِّث، حافِظ و قارِی، کامیاب مدرِّس و مناظِر، پانچ ہزار سے زائد کتب و رسائل کے مصنِّف، پیرِ طریقت، رہبر شریعت تھے۔

بد قسمتی سے دورِ حاضرہ میں پیری مریدی ایک نفع بخش کاروبار کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اس وقت حالات نے جو رُخ اختیار کئے ہوا ہے وہ سب پر عیاں ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ صوفیاءِ کرام کی تعلیمات میں عمل پیرا ہونے سے انسان دنیاو آخرت میں کامیاب وکامران ہو سکتا ہے۔ اولیاء کرام کی خانقاہیں رُشد وہدایت اور رُوحانیت کے عظیم مراکز ہیں جہاں ہر لمحہ گرداب میں مبتلاء لاکھوں انسان قلبی و دینی سکون پاتے ہیں۔

علامہ اویسی نور اللہ مرقدہ سے سوال کیا گیا کہ شیخِ طریقت میں کِن خوبیوں کا موجود ہونا ضروری ہے؟ تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے شیخ طریقت کے لیے امام احمد رضا محدِّث بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی بیان کی گئی چار شرائط ضروری بتائیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1) حضور ﷺ تک مرشدِ کامل کا سلسلہ متّصِل ہو

2) اور ایک کامل مرشد کا سُنی العقیدہ ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔

3) اور شیخ طریقت شرعی علوم سے بقدر ضرورت واقف ہو۔

4) اس کے علاوہ مرشد کامل فاسقِ مُعلِن نہ ہو یعنی کھلم کھلا فسق کا مرتکب نہ ہو۔[1]

علامہ اویسی علیہ الرحمہ کے مشہور خلفاء:

آپ علیہ الرحمہ کی تدریسی زندگی جو ۱۹۵۲ء تا وصال ۲۰۱۰ء یعنی اٹھاون برس کا عرسہ بنتی ہے۔ آپ نے ۵۸ سالہ تدریسی زندگی میں تلاوتِ کلامِ الٰہی، اردو وظائف، ذکر وفکر، اور تقریری وتحریری مصروفیات کے باوجود بھی ہزاروں بلکہ بلامبالغہ لاکھوں علماء، فضلاء، حفاظ وفقہاء، معلمین، مدرسین، محققین، مفتیان دین اور مفسرین ومحدثین پیدا کئے۔ آپ کے ہزاروں بلکہ لاکھوں شاگرد دُنیا کے مختلف کونوں میں جہالت کے اندھیروں کو مٹاتے ہوئے علمی وروحانی ضیاء پاشیاں کر رہے ہیں نیز آپ کے خلفاء کرام بھی اپنی اپنی جگہ آپ کے اس عظیم علمی وروحانی مِشن کو برقرار رکھتے ہوئے سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ اویسیہ کی ترویج واشاعت اور مذہب کے فروغ کیلئے شب وروز مصروف عمل ہیں۔

[1] (انٹرویو ماہنامہ سوئے حجاز، محمد خلیل الرحمٰن قادری، لاہور)

حضرت مفتی فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کے روحانی فیض سے ایک دنیا فیض یاب ہورہی ہے۔ یوں تو دار العلوم اویسیہ رضویہ میں آنے والے ہر طالب علم کو آپ کے روحانی فیض سے بقدر ظرف حصّہ نصیب ہوا، لیکن آپ نے کچھ کو بطورِ خاص فیوضِ باطنی سے بھی سرفراز فرمایاہے۔ علامہ اویسی علیہ الرحمہ ایک روایت ساز شخصیت تھیں اور اس میدان میں بھی آپ نے نئی روایات قائم کرتے ہوئے ایسے افراد کو خرقہ خلافت عطا فرمایاہے جو علمی طور پر دین متین کی خدمت کے لیے کڑھن رکھتے اور سرگرم بھی تھے۔ فیض ملت نے مقام ولایت پر فائز ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بطورِ 'ولی 'مشہور ہونے نہ دیا اور آپ نے صبر کا دامن تھامتے ہوئے کبھی بھی اپنی روحانی شخصیت کا اظہار نہ کیا۔ مزید یہ کہ آپ نے خلافت عطا کرتے ہوئے بھی محتاط رویہ سے کام لیا۔

ساداتِ کرام کی عزّت و تعظیم فیضِ ملّت انتہا درجے کی کیا کرتے تھے اور کرنی بھی چاہیے کہ یہ آلِ رسول علیہ الصلوۃ والتسلیم ہیں اور ہم سرکار علیہ الصلوۃ والسلام اور سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد کے غلام ہیں۔ غلام کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے آقا کی عزت کرے۔ فیضِ ملّت بھی اِسی لیے ان سے محبت فرماتے تھے دیکھنے والا خود ہی سمجھ جاتا کہ جو فیض ملت، آلِ رسول علیہ الصلوۃ والسلام سے اتنی محبت کرتا ہے تو وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت کرتا ہو گا۔

سادات کرام کو خلافت کا تاج پہناتے ہوئے آپ رحمتہ اللہ تعالی علیہ خود فرمایا کرتے تھے کہ "بھائی فقیر اویسی کا کیا ہے؟ بس رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوکری کر رہا ہوں اور ساداتِ کرام سے اپنی نسبت قائم کر رہا ہوں اور میرے نامہ اعمال میں کچھ خاص نہیں ہے صرف سادات کرام کا استاد ہوں، بس میدان محشر اور آخرت میں میری بخشش کے لیے یہی کافی ہے نہ کہ میرے اعمال صالحہ "۔ اسی وجہ سے خلافت کا تاج پہنانے میں سب سے پہلے ساداتِ کرام کو حصہ عطا فرمایا اور دورہ تفسیر قرآن حاضری رجسٹر میں بھی سب سے پہلے ساداتِ کرام شاگردوں کا نام تحریر فرماتے۔[1]

چند مشہور خلفاء کرام کے اسمائے گرامی:

- حضرت علامہ مولانا پیر سید مسرت حسین شاہ اویسی رحمۃ اللہ علیہ (بہاولپور)
- حضرت علامہ مولانا سید شوکت حسین شاہ اویسی رحمۃ اللہ علیہ (انڈیا)
- حضرت صاحبزادہ سید محمد منصور شاہ اویسی رحمۃ اللہ علیہ (میانوالی)
- حضرت سید محمد عارف شاہ اویسی رحمۃ اللہ علیہ (کراچی)
- حضرت سید صاحب از عزیزان اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ (کراچی)
- بانئ دعوتِ اسلامی حضرت مولانا محمد الیاس عطار قادری رضوی اویسی مد ظلہ (کراچی)
- مولانا احمد رضا بن مولانا الیاس قادری (کراچی)
- صاحبزادہ محمد عطاالرسول اویسی مد ظلہ (بہاولپور)

[1] (محمد مقصود نوشاہی اویسی، یادگارِ فیضِ ملت، فیض رضا پبلکیشنز کراچی، ص ۴۰)

- حضرت مولانا صاحبزادہ محمد فیاض احمد اویسی مد ظلہ (بہاولپور)
- حضرت مولانا صاحبزادہ محمد ریاض احمد اویسی مد ظلہ (بہاولپور)
- مولانا امجد اویسی داماد علامہ اویسی (بہاولپور)
- حضرت علامہ مولانا عبد الجلیل العطامی مد ظلہ (شام)
- حضرت علامہ مولانا صوفی مختار احمد اویسی (بہاولپور)
- حضرت علامہ مولانا غلام جیلانی قادری اویسی (مدینہ منورہ)
- حضرت علامہ مولانا مفتی محمد متین اویسی نقشبندی (لودھراں)
- حضرت علامہ مولانا محمد امیر احمد نوری اویسی نقشبندی (کہروڑپکا)
- حضرت علامہ مولانا محمد خان درانی (سپین)
- حضرت علامہ مولانا محمد اسماعیل جانی دارالعلوم امام احمد رضا (انڈیا)
- حضرت علامہ مولانا محمد عبد الکریم قادری رضوی اویسی (کراچی)
- حضرت مولانا محمد مقصود حسین قادری نوشاہی اویسی (کراچی)
- حضرت صوفی نور محمد علیہ الرحمہ (بہاولپور)
- حضرت مولانا پروفیسر مجید اللہ قادری (کراچی)
- الحاج مولانا محمد غازی صاحب (گجرانوالہ)
- مولانا ڈاکٹر محمد اقبال اختر القادری (کراچی)
- ثناءخوانِ رسول ﷺ الحاج محمد اویس رضا قادری صاحب مد ظلہ (کراچی)
- ثناءخوانِ رسول ﷺ الحاج محمد مشتاق رضا قادری صاحب علیہ الرحمہ (کراچی)
- مولانا محمد اویس قرنی قادری رضوی اویسی (لاہور)
- پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی مظہری (کراچی)
- محمد مسرور احمد نقشبندی مسعودی (کراچی)
- علامہ مولانا مفتی رفیق احمد درانی (کراچی)[1]

---

[1] (محمد مقصود موشاہی اویسی، یادگارِ فیض ملت، فیض رضا پبلیکیشنز کراچی، ص ۴۰۔۴۲)

علامہ اویسی علیہ الرحمہ کے عادات و معمولات:

انسان کی ویسے تو بہت سی عادات ہوتی ہیں جن میں سے بعض اچھی اور بعض بڑی ہوتی ہیں مگر ایک گروہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جن پر اللہ تعالیٰ کی خاص نظر کرم ہوتی ہے تو ان کی سب فطری عادتیں اچھی ہی ہوتی ہیں۔ علامہ اویسی علیہ الرحمہ کی ذات بھی ایسی ہی تھی کہ جن کی عادات کو دیکھا جائے تو نبی کریم ﷺ کی سنّت یاد آجاتی ہے۔ آپ علیہ الرحمہ کے اوقاتِ زندگی بہت مُنضَبِط اور ایک متعیَّن نظام کے تحت تقسیم تھے۔ فجر سے پہلے اٹھ کر نماز تہجد ادا کرنا، پھر تلاوت قرآن پاک اور وظائف میں مشغول ہو جانا۔ نمازِ فجر باجماعت پڑھ کر سب مقتدیوں کے ساتھ ذِکر اور درود شریف کی محفل میں مصروف ہو جاتے تھے۔ ختم شریف اور درود و سلام پڑھنے کے بعد آپ علیہ الرحمہ مصلیٰ پر ہی بیٹھ کر دیگر اردو وظائف میں مشغول ہو جاتے تھے اور نمازِ چاشت پڑھ کر ناشتہ کرتے اور ناشتہ سے فارغ ہو کر پھر تصنیف و تالیف کا کام شروع فرمادیتے تھے۔ مدرسہ میں تدریس کے اوقات میں مسلسل پانچ، چھ گھنٹے درس دیتے، نمازِ ظہر ادا کر کے مختصر قیلولہ (صرف سنت پر عمل کرنے کیلئے) فرمانے کے بعد تصنیف و تالیف کا سلسلہ دوبارہ شروع فرمادیتے تھے۔ نمازِ عصر کے بعد اکابر علماء اہلسنت کی طرح علمی نشست ہوتی تھی اور زبانی افادات کے سلسلے جاری رہتے تھے۔ نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء کے بعد رات گئے تک مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا کام جاری رہتا مگر معمول کے شب و روز میں کبھی کبھی سفر کا معاملہ ضرور خلل ڈالتا مگر یہ سفر وعظ و تقریر کیلئے ہوتا، آپ رحمتہ اللہ علیہ کسی مرکزی جلسے میں چار چار پانچ پانچ گھنٹے خطاب کرتے اور خطاب میں زیادہ قرآن پاک اور حدیث پاک پڑھتے تھے۔

علامہ اویسی علیہ الرحمہ کی عبادت و ریاضت:

جیسا کہ شیخ کامل کی علامات میں سے اہم ترین علامت شرعی احکام کی پابندی کو قرار دیا گیا ہے، علامہ اویسی نوراللہ مرقدہ کا شرعی احکام پر پابندی کا زمانہ معترف ہے۔ آپ کے ارشد تلامذہ اور خانوادہ کے احباب شاہد ہیں کہ آپ کی زندگی پیارے مصطفی کریم ﷺ کے دین متین کی پاسبانی میں گزری۔ اس حوالے سے مورخ کشمیر نامور صحافی علامہ سید زاہد حسین شاہ نعیمی (راولاکوٹ) اپنے مقالہ میں علامہ اویس نوراللہ مرقدہ کی عبادت دریاضیت کے حوالہ سے اپنا ذاتی مشاہدہ لکھتے ہیں کہ " یہ بات باعثِ حیرت ہے کہ میں نے جب بھی دیکھا رات کو علامہ اویسی علیہ الرحمہ کے حجرہ کا بلب جلتا رہتا، میں جب تک جاگتا رہتا یہ منظر دیکھتا رہتا پھر سو جاتا۔ رات پچھلے پہر مجھے بھی اٹھنے کی عادت تھی لیکن میں جب بھی وضو کر کے سیرانی مسجد (بہاولپور) کے صحن میں پہنچتا تو میں نے علامہ اویسی علیہ الرحمہ کو تہجد پڑھتے دیکھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کبھی ان سے پہلے میں اٹھ جاؤں لیکن کبھی ایسا نہ ہوا کہ وہ مسجد میں موجود نہ پائے جائیں ،یہی ایک بات آج تک میں سمجھنے سے قاصر رہا کہ آخر حضرت کب سوتے اور پھر تہجد کے لیے اٹھ جاتے تھے اور دن کے تمام معمولات میں کوئی فرق نہیں آتا تھا یہ تو کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں"۔
عبادت و ریاضت میں علامہ اویسی علیہ الرحمہ کی ذات منفرد ہے اس پر کافی کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن یہاں صرف اتنا کافی ہے کہ تہجد کے بعد حضرت اپنے حجرہ میں تشریف لاتے پھر صبح کی اذان ہوتی۔ آپ مسجد میں تشریف لے جاتے فجر کی سنت کے بعد تلاوت کلام الٰہی اور دلائل الخیرات پڑھتے پھر اختتام کے بعد فجر کی جماعت کے لئے اقامت ہوتی اور باجماعت نماز ادا کی جاتی ،

ان دنوں سید عبد القادر شاہ صاحب ہی صبح کی امامت کراتے تھے۔ حضرت کے حکم کی پابندی کرتے شاید ان کی یہ ذمہ داری ان کے سادات ہونے کے باعث لگائی گئی تھی۔ حضرت اکثر امامت کے لیے اسے کہتے جو سادات میں سے ہو۔ نماز فجر کے بعد ختم شریف پڑھا جاتا پھر اختتام پر علامہ صاحب خود دعا فرماتے۔ ختم شریف کی یہ مجلس نہایت پر سوز اور پر تاثیر ہوتی تھی۔ پھر نماز اشراق ادا فرماتے اور اپنے حجرہ میں تشریف لے جاتے۔ پھر معمول کے مطابق ناشتہ کرتے جو عام اور سادہ ہوتا تھا اس کے بعد کلاس لگ جاتی اور آپ کلاس میں تشریف لے جاتے تھے۔[1]

علامہ اویسی علیہ الرحمہ اتباعِ شریعت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ مجال نہیں کہ خلافِ شریعت کوئی کام سرزد ہو جائے یا کسی کو خلافِ شریعت کوئی کام کرتا دیکھ لیں تو خاموش رہ جائیں۔ ایک دن کلاس میں سبق کے دوران آپ علیہ الرحمہ نے خود فرمایا کہ "الحمد للہ عزوجل و بکرمِ مصطفٰی ﷺ جب سے میں مسندِ تدریس پر آیا ہوں نہ صرف نماز باجماعت بلکہ تکبیرِ اولٰی کا اہتمام کرتا ہوں، آج تک تقریباً کوئی نماز تکبیرِ اولٰی کے بغیر نہیں پڑھی"۔ آپ نرم دِل، نرم خُو، مُنکسِر المِزاج مُتواضع صفت تھے۔ تواضع و انکساری آپ علیہ الرحمہ کے اندر درجہ کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔ آپ اپنے گھر کے بچوں کو بھی تواضع کی تعلیم دیتے تھے اس کا اثر آپ کے صاحبزادوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔[2]

علامہ اویسی علیہ الرحمہ کا عشقِ رسول ﷺ :

عشق و محبت کا مفہوم یہ ہے کہ طبیعت کا کسی بھی چیز کی طرف مائل ہونا، اگر یہ میلان سخت ہو جائے تو اس کو عشق کہا جاتا ہے۔ آخر معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ عاشق اپنے معشوق کا غلام بن جاتا ہے۔ اس پر سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ عشق کی تاثیر بڑی حیرت انگیز ہے۔ عشق نے بڑی بڑی مشکلات میں عقل انسانی کی رہنمائی کی ہے۔ عشق نے بہت سی لاعلاج بیماریوں کا کامیاب علاج کیا ہے۔ عشق کے کارنامے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

مدینہ شریف کے پر آشوب ماحول میں جب آپ ﷺ کا وصال ہو چکا ہے اور اطراف مدینہ کے بہت سے لوگ دین اسلام سے پھر گئے۔ دشمنوں نے شہر رسول ﷺ پر حملے کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ اسلامی لشکر کو حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں روم کے مقابلہ کے لئے خود رسول اللہ ﷺ مرضِ وصال میں بھیج چکے تھے۔ سیاسی حالات نے سنگین رُخ اختیار کر لیا ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی رائے تھی کہ لشکر کو واپس بلایا جائے۔ لیکن وہ عشق ہی تھا جس نے سب کے برخلاف پکار کر کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ابو قحافہ کے بیٹے (ابو بکر) سے ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ لشکر کو پیچھے لوٹائے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے آگے بھیجا ہے۔ خواہ کتے ہماری ٹانگیں کھینچ لے جائیں مگر رسول اللہ ﷺ کا بھیجا ہوا لشکر میں واپس نہیں بلا سکتا اور اپنے آقا ﷺ کا باندھا ہوا پرچم کھول نہیں سکتا۔ عشق کا فیصلہ عقل کے فیصلے سے بالکل مُتضادِم تھا لیکن دنیا نے دیکھا کہ جب عشق کا فیصلہ نافذ ہو گیا تو ساری سازشیں خود بخود دم توڑ گئیں۔ دشمنوں کے حوصلے شکست خوردہ ہو

---

[1] (علامہ سید زاہد حسین شاہ نعیمی (راولاکوٹ)، مقالہ کچھ یادیں کچھ باتیں، فیضِ عالم مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

[2] (تاثرات "الحدائق"، میانوالی کا مفسر اعظم پاکستان نمبر، جامعہ فیض العلوم میانوالی)

گئے اور سیاسی حالات کی کایا پلٹ گئی۔ اسی عشقِ کامل کے طفیل صحابہ کرام علیہم الرضوان کو دنیا میں اختیار واقتدار اور آخرت میں عزت ووقار ملا۔ یہ انکے عشق کا کمال تھا کہ مشکل سے مشکل گھڑی اور کٹھن سے کٹھن وقت میں بھی انہیں اتباعِ رسول ﷺ سے انحراف گوارا نہ تھا۔ وہ ہر مرحلہ میں اپنے محبوب آقا ﷺ کا نقشِ پا ڈھونڈتے اور اسی کو مشعل راہ بناتے۔

علامہ اویسی علیہ الرحمہ بھی سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ آپ کی تقاریر کا موضوع عموماً محبتِ رسول ﷺ ہی ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ کا یہی عشق تھا جو آپ کو ہر سال شہر نبی ﷺ میں لے جاتا تھا۔ آپ کو ۱۳۹۹ھ تا ۱۴۳۱ھ ہر سال حرمین طیبین کی حاضری نصیب ہوتی رہی۔ آپ کو نہ صرف حضور اکرم اللہ سے محبت تھی بلکہ آپ ﷺ کی اولاد، آپ علیہ السلام کا شہر مبارک، اور ہر وہ چیز جس کی نسبت آقا ﷺ سے ہو وہ چیز علامہ اویسی صاحب علیہ الرحمہ کو جان سے بھی زیادہ پیاری تھی۔

حضورِ اکرم ﷺ کے حسن وجمال کا جب ذکر چھڑتا تھا تو آپ کی آنکھیں برسنا شروع ہو جاتی تھیں۔ آپ اکثر امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام بڑے ذوق وشوق سے سنتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے والدین کریمین سے آپ کو بے پناہ عقیدت ومحبت تھی اور جن لوگوں کی تحقیق میں وہ (نبی اکرم ﷺ کے والدین) مسلمان نہیں مشرک ہیں (معاذ اللہ) علامہ اویسی نے ان سے سخت اختلاف کیا اور اس موضوع پر آپ نے ایک ضخیم کتاب بنام اَبَوَین مصطفی ﷺ تصنیف فرمائی اور نہ صرف سرکارِ دوعالم ﷺ کے والدین کریمین بلکہ آپ ﷺ کے نسب مبارک میں آخر تک آنے والے تمام آباء وامھات کے ایمان واسلام پر وہ تحقیق فرمائی کہ اگر امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا میں ہوتے تو آپ کو بہت داد دیتے کیونکہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان کے بارے میں مستقل چھ رسائل تحریر فرمائے تھے۔
اویسی صاحب بھی اسی عقیدت ومحبت کی بنا پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ابواء شریف میں متعدد بار تشریف لے گئے جہاں ایک اونچے ٹیلے پر رحمت کائنات ﷺ کی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنھا کا مزارِ مبارک ہے جہاں پہنچنا نہایت ہی مشکل ہے مگر آپ کا عشق آپ کو وہاں کئی بار لے گیا۔ حضور اکرم ﷺ کی آل سے آپ کو بہت زیادہ محبت تھی جب آپ مدرسہ میں درسِ نظامی یا دورہ تفسیر القرآن پڑھاتے تو حاضری رجسٹر میں سب سے پہلے ساداتِ کرام کا نام لکھتے اور کبھی کسی سید زادے کو سزا نہ دیتے بلکہ پیار ومحبت سے ایسے سمجھاتے کہ دوبارہ شکایت کا موقع نہ ملتا۔ یہ سب عشق رسول ﷺ کا اثر تھا۔[1]

نعت خوانی:

علامہ اویسی رحمۃ اللہ علیہ کو نعت رسول ﷺ پُر ذوق سننے کا شوق تھا، نعت شریف سُن کر ٹھنڈی آہیں نکلتی تھیں، یہ عشق رسول ملنے کی بین دلیل ہے۔ آپ علیہ الرحمہ اپنا کلام بھی نماز عصر کے بعد نہایت ذوق کے ساتھ سنتے تھے۔ آپ کا بہترین کلام

[1] (محمد مقصود نوشاہی اویسی، یادگارِ فیضِ ملت، فیضِ رضا پبلیکیشنز کراچی، ص ۶۳)

اُردو اور سرائیکی میں مطبوعہ ہے، یہ بھی کرمِ خداوندی ہے، دیگر عشاق کرام مثلاً خزینہ معرفت ہجر و گداز کا خزینہ حضور غلام فرید صاحب رحمتہ اللہ علیہ دربار عالیہ کوٹ مٹھن شریف کی سرائیکی کافیاں سُن کر آبدیدہ ہو جاتے، آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش برستی، اسی طرح امام احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا کلام حدائق بخشش والہانہ انداز میں سنتے۔ آپ نے کلام حدائق بخشش کی متعدد جلدوں میں شرح بھی فرمائی ہے۔ اسی طرح فخر پاکستان الحاج محمد اویس رضا قادری صاحب فخر نعت خوانان سے بھی نعتیں سنتے، ذوق بھی غالب رہتا ہر جملہ کی داد بھی دیتے تھے یہ بھی حبِ رسول ﷺ کی واضح دلیل ہے۔

مسلکِ اہل سنت پر استقامت اور نظریاتِ امام احمد رضا کا پرچار:

آپ علیہ الرحمہ نے عمر بھر امام احمد رضا بریلوی کے نظریات کے پرچار کے لئے بہت کام کیا اور نظریات اور مسلک کے حوالے سے کبھی کسی کی رعایت نہیں فرمائی آپ جس بات کو حق جانتے اس پر سختی سے جم جاتے اور کوئی بڑے سے بڑا مخالف بھی آپ کے عزم وہمت اور تصلب کے راستے میں حائل نہ ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ متعدّد بار میدانِ مناظرہ میں کامیابی وکامرانی نے آپ کے قدم چومے۔ کیونکہ جب اخلاص، صداقت اور جذبۂ صادقہ شامل حال ہو تو باطل خود بخود کافور ہو جاتا ہے۔[1]

اولادِ فیضِ ملت:

نبی پاک ﷺ کا فرمانِ برکت نشان ہے:

"جب آدمی کا انتقال ہو جاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔

۱) صدقۂ جاریہ ۲) ایسا علم جس سے نفع اٹھایا جائے ۳) نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے"۔[2]

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں فیضِ ملت کی اولاد کا ذکرِ خیر:

فیضِ ملت کی شادی ۱۳۷۲ھ بمطابق ۱۹۵۳ء میں جام محمد لاڑ کی شہزادی سے ہوئی اور ان سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو چار صاحبزادے اور اور ایک صاحبزادی عطا فرمائی۔

صاحبزادوں کے نام:

۱) محمد صالح اویسی ۲) عطاالرسول اویسی ۳) فیاض احمد اویسی ۴) ریاض احمد اویسی

آپ کی صاحبزادی کا نام 'کنیز فاطمہ' ہے۔[3]

---

[1] (میاں عطا محمد نعیمی، مقالہ فیض ملت کی فیض رسانیاں، ماہنامہ فیضِ عالم، مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

[2] (مسلم، کتاب الوصیۃ، باب مایلحق الانسان، حدیث: ۱۶۳۱)

[3] (مفتی عبدالرحمٰن نقشبندی، کہروڑپکا، مقالہ مفتی محمد فیض احمد اویسی)

فیضِ ملت کی روحانی اولاد:

علامہ اویسی کی روحانی اولاد دو طرح کی ہے، ایک شاگرد اور دوسرے مریدین کی صورت میں۔ روحانی اولاد خواہ شاگرد ہو یا مرید دونوں ہی اپنے شیخ کے مظہر ہوتے ہیں کیونکہ اگر شاگرد باصلاحیت ہو گا تو لا محالہ استاد بھی یقیناً قابل ہو گا، اسی طرح اگر مرید متقی و پرہیز گار ہو تو ذہن فوراً امر شد کامل کے تقوی کی طرف جائے گا کہ یہ سارا فیض مرشد کامل کا ہی ہے۔ تو فیضِ ملت علیہ الرحمہ کے تلامذہ کو دیکھا جائے تو ہر ایک اپنے فن میں بے مثال نظر آتا ہے۔ کوئی شیخ القرآن ہے تو کوئی شیخ الحدیث، کوئی مفکر ہے تو کوئی مناظر کوئی محدث ہے تو کوئی مفتی ، کوئی مدرس ہے تو کوئی مقرر، سب اپنے اپنے مدار میں رہ کر دینِ متین کی خدمت کر رہے ہیں۔ اسی طرح آپ کے مرید بھی تقوی و طہارت میں بے مثال ہیں۔ علامہ اویسی علیہ الرحمہ کی روحانی اولاد کو شمار کرنا انتہائی مشکل ہے۔ کیونکہ فیضِ ملت نے کئی دورۂ تفسیرِ قرآن کیے اور تدریس میں بھی آپ نے عرصہ دراز تک اپنی خدمت سر انجام دی، ہر دورۂ تفسیرِ قرآن میں کثیر تعداد میں طلباء کرام کا ہجوم ہوا کرتا تھا اور تدریس میں بھی آپ کے کئی شاگرد رہے، لہذا شاگردوں کو شمار کرنا نہایت ہی مشکل امر ہے لیکن پھر بھی چند مشہور شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

- حضرت مولانا مفتی غلام سرور قادری
- حضرت مولانا مفتی عبد الستار چشتی
- حضرت مولانا مفتی محمد ارشد القادری
- حضرت عبد المجید اویسی
- صاحبزادہ محمد اسماعیل نقشبندی سرگودھا
- مولانا منیر الزمان ابو ظہبی
- حضرت مولانا مفتی رضا المصطفیٰ نقشبندی
- حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری
- مبلغ اسلام رضا ثاقب مصطفائی صاحب
- مفتی مختار احمد درانی خانپوری
- مولانا حافظ عبد الستار گھوٹکی
- صاحبزادہ مولانا علی احمد مانگٹ۔[1]

[1] (تفسیر روح البیان، ص٦)

وصالِ پُر ملال:

اس دنیائے رنگ و بُو میں کئی انسان آئے۔ ساری زندگی گوشۂ گمنامی میں رہے اور پھر آخرت کی طرف سدھار گئے۔ لیکن کچھ نفوس قدسیہ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں شہرتِ عام اور بقائے دوام حاصل ہوتی ہے۔ جب ایسے عظیم لوگ سفر آخرت کی جانب رواں دواں ہوتے ہیں تو زمین و آسمان روتے ہیں ۔ ایسی باکمال اور بے مثال شخصیات میں حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کا نام نہایت روشن اور نمایاں ہے۔ کچھ لوگ تو اس دنیا میں صرف اپنے 'جینے ' کی فکر میں گزار دیتے ہیں لیکن علامہ اویسی علیہ الرحمہ نے اپنی ساری زندگی 'مدینے' کے تصور میں گزار دی، اس پر آپ کی تصانیف شاہد عدل ہیں۔ دنیا کے علم و ادب کا یہ آفتاب "**۱۵ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ / 28 اگست 2010ء**" کو نماز فجر ادا کرنے کے بعد غروب ہو گیا۔ غروب ہونے کے بعد بھی آپ کی نورانی شعاعیں ہمارے قلب و جگر کو منور کرتی رہیں گی۔ رات گیارہ بجے مرکزی عید گاہ بہاولپور میں آپ کی نماز جنازہ آپ کے صاحبزادہ مفتی محمد فیاض احمد اویسی رضوی کی اقتداء میں ادا کی گئی۔ نماز جنازہ سے قبل اعلان کیا گیا کہ چونکہ علامہ اویسی نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کو ناجائز سمجھتے تھے اس لئے آپ کی نماز جنازہ لاؤڈا سپیکر کے بغیر سنت طریقے کے مطابق مکبّرین کے ساتھ ادا کی جائے گی۔ رمضان المبارک کی مصروفیت اور رات ہونے کے باوجود نامور علماء ومشائخ اور تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ بلاشبہ آپ کا جنازہ بہاولپور میں یادگار تاریخی ومثالی جنازہ تھا، علامہ پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی نے دعا کروائی۔ ہزاروں اشک بار آنکھوں کے سامنے آپ کو جامعہ اویسیہ رضویہ میں دفن کیا گیا۔ تدفین کے موقع پر بعض حضرات نے مُووِی بنانے کی کوشش کی تو انہیں سختی سے روک دیا گیا۔ اللہ جل جلالہ ہمیں فیضِ ملت کے روحانی فیض سے ہمیشہ فیض یاب رکھے۔ آمین [1]

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ   **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ**

تیرے علمی کارناموں نے بخشا ہے تجھے دوام   آب زریں سے لکھ رہا ہے آج مؤرخ تیرا نام
تو نے نسلِ نو کو بخشا ہے شعورِ علم و فن   ہے تیری ذاتِ گرامی، لائق صد احترام

جھگڑتے آئے برسوں سے بس یہ دشمنانِ دیں   قدم ہلنے نہیں پائے عزیمت فیض احمد کی
عمر بھر فیض احمد دین احمد کو نہیں بھولے   مگر دین بھی نہیں بھولے گا خدمت فیض احمد کی

[1] (محمد مقصود نوشاہی اویسی، یادگارِ فیضِ ملت، فیضِ رضا پبلیکیشنز کراچی، ص ۲۷ & ۴۳)

فصلِ ثانی:

مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات:

فیضِ ملت علیہ الرحمہ کی تدریسی خدمات:

قرآنِ کریم سے تدریس کا ثبوت:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۞ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۞﴾

یعنی جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، آدمی کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔[1]

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تعلیم کا تذکرہ فرمایا۔ اِس سے علم سیکھنے اور سکھانے کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اِسی تعلیم کے باعث انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا تاج پہنایا گیا۔

حدیث پاک سے تدریس کا ثبوت:

نبی پاک ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: {اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا}

یعنی کہ میں معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں[2]

اس حدیث مبارکہ سے بھی تعلیم کی اہمیت میں مزید اضافہ ہوتا ہے کہ تدریس و تعلیم یہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا پیشہ ہے اور انہیں اسی لئے مبعوث کیا گیا۔

اسی طرح سنن ابو داؤد شریف کی حدیث مبارکہ ہے کہ نبیِ پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: {اِنَّمَا الْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ}

یعنی علماءِ کرام ہی انبیاءِ کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔[3]

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں بھی علماءِ کرام کی شان میں مزید اضافہ ہوتا ہے کہ علماءِ کرام انبیاءِ عظام علیہم السلام کے وارث ہیں اور یہاں وارث اس معنی میں کہا گیا کہ جس طرح انبیاءِ کرام علیہم السلام نے تبلیغِ دین کی اُسی طرح علماءِ کرام بھی تبلیغِ دین کرتے ہیں۔

---

[1] (سورۃ علق:۴۔۵)

[2] (سنن ابن ماجہ، کتاب المقدمہ)

[3] (سنن ابو داود، کتاب العلم، حدیث:۳۱۵۷)

ابتدائے تدریس:

۱۹۵۲ء میں فیضِ ملت نے اپنے آبائی گاؤں حامد آباد میں ایک عظیم دینی مدرسہ منبع الفیوض کی بنیاد ڈالی اور خود ہی مسندِ تدریس پر بیٹھ کر بہاولپور کی زمین کو آباد کرنے لگے اور بہت جلد ہی پورے پاکستان سے علومِ اسلامیہ کے پیاسے علامہ اویسی علیہ الرحمہ کے بحرِ بے کنار سے سیر اب ہونے کے لئے حامد آباد آنے لگے۔ چونکہ یہ علاقہ بالخصوص تعلیمی لحاظ سے پسماندہ تھا، دور دور تک نہ تو کوئی قابلِ ذکر شہر تھا نہ ہی کوئی دینی ادارہ تو بہت ہی مختصر عرصہ میں مدرسہ منبع الفیوض سے جید علماءِ کرام پیدا ہونا شروع ہو گئے، حضور فیضِ ملت کی شب و روز محنت سے مدرسین کی ایک کھیپ تیار ہوئی اور آپ کی مسلسل جدوجہد سے قرب و جوار میں مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسی طرح پڑھاتے پڑھاتے آپ ۱۹۶۳ء میں بہاولپور تشریف لے آئے اور وہاں ایک جگہ خرید کر سیرانی مسجد اور مدرسہ جامعہ اویسیہ رضویہ کی بنیاد رکھی۔ یہیں آپ نے دورۂ تفسیرِ قرآن شروع کیا جس میں ملک کے طول و عرض سے تشنگانِ علوم آتے۔

فیضِ ملت کا اندازِ تدریس:

تدریس محض ایک پیشہ نہیں بلکہ یہ ایک بہترین فن ہے۔ پیشہ ور استاد محض اپنے تدریسی فرائض پر عمل کرتے ہوئے تدریس سرانجام دے گا جبکہ ایک باکمال استاد موضوع کو بہترین سہل انداز میں طلباءِ کرام کے ذہنی اور نفسیاتی تقاضوں کے عین مطابق پیش کرنے کی کوشش میں لگا رہے گا۔ معیاری اور نفسیاتی انداز میں نفسِ مضمون کو پیش کرنا ہی اصل تدریس کہلاتا ہے۔ فیضِ ملت کا انداز تدریس بڑا ہی دلنشین تھا کہ آپ ہمیشہ طلباء کرام پر شفقت فرماتے تھے۔ فنّ بلاغت و منطق و فلسفہ جنہیں زمانہ خشک مضامین کہتا ہے فیضِ ملت ان فنون کا نچوڑ سہل انداز میں طلباء کے ذہنوں میں منتقل فرما دیتے اور علم الفرائض و ریاضی کے انتہائی پیچیدہ مسائل پر ایسی ماہرانہ گفتگو فرماتے کہ طلباء کرام میں جو مبتدی بھی ہوتا وہ بھی بڑی آسانی سے سمجھ جاتا۔ فقہ کے اختلافاتِ علماء اور ان کے اعتراضات و جوابات کو حل کرنا فیضِ ملت کا خاصہ تھا۔ اور طلباء کرام کے رجحانات سے آگاہ رہنا بھی آپ کا خاصہ تھا کہ بعض طلباء کو تفسیر و اصول تفسیر میں دلچسپی تو بعض کو حدیث و اصولِ حدیث میں، بعض کو فقہ و اصول فقہ میں، تو بعض کو شعر و شاعری میں، بعض کو معقولات میں تو بعض کو فنون کا شوق ان تمام رجحانات پر بھی فیضِ ملت کی کامل نظر رہتی اور آپ اکثر اپنے طلباء سے ان کی دلچسپی کے متعلق گفتگو کرتے۔ جب کبھی کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوتا طلباء کرام فیضِ ملت کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور مسائل کا حل طلب فرماتے۔[1]

فیضِ ملت کی تدریس کے متعلق آپ کے ایک شاگرد کی تحریر:

شیخ القرآن مفتی مختار احمد درانی شاگردِ فیضِ ملت لکھتے ہیں: آپ نے پچاس سال سے زائد درس نظامی کی مروجہ کتب کی تدریس فرمائی۔ آپ ہر فن میں یکتا روزگار تھے، مشکل سے مشکل اسباق طلباء کے اذہان میں منقوش کرنا حضرت کا خاصہ تھا۔ سال ہا سال آپ دورۂ حدیث شریف کی مکمل کتبِ صحاحِ ستہ اکیلے پڑھاتے رہے مشکلاتِ حدیث کا نہایت ہی تحقیقی حل فرماتے ہیں۔

---

[1] (حضور فیضِ ملت ایک مثالی معلم)

تعارض حدیث رفع فرماتے، اختلافِ آئمہ بیان فرما کر حنفی مذہب کے ترجیحی دلائل بیان فرماتے گویا تدریسِ دورۂ حدیث میں بھی آپ عدیم المثال تھے۔ [1]

دورۂ تفسیرِ قرآن اور فیضِ ملت:

فیض ملت کی زندگی کی عظیم خدمات میں سے ایک عظیم تر خدمت دورہ تفسیر قرآن ہے جس کے چرچے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ آپ نے ۱۹۶۱ء میں مدرسہ سراج العلوم خان پور میں دورہ تفسیر قرآن کا آغاز کیا پھر اسی طرح دورے کرتے کرتے ۲۰۱۰ء تک تقریباً پچاس سال پاکستان کے مختلف شہروں میں دورۂ تفسیر القرآن پڑھاتے رہے. آپ کے اس عظیم کام کے باعث کئی طلباء کرام نے اپنے علم کی پیاس فیض ملت کے ان دورہ تفسیر قرآن سے بجھائی اور ایسے سیر اب ہوئے کہ دنیا بھر میں آج بھی ان کا فیض جاری وساری ہے فیض ملت اپنی تصنیف شدہ کتاب (احسن البیان فی اصول تفسیر القرآن) کے ابتدائیہ میں دورۂ تفسیر قرآن کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "میں نے ۱۹۵۱ء میں دورانِ تعلیم محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد صاحب سے عرض کیا کہ میں دورہ تفسیر قرآن کے اجراء کا ارادہ رکھتا ہوں آپ میری رہبری فرمائیے۔ علامہ سردار احمد صاحب نے فرمایا کہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن بنام کنز الایمان کو جانِ مطالعہ بنایئے"۔ محدث اعظم پاکستان کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے ۱۹۶۱ء سے ۲۰۱۰ء کے اس لمبے عرصے تک دورہ تفسیر قرآن پڑھاتے رہے یہاں تک کہ آپ کا دورہ تفسیر قرآن دنیا بھر میں مشہور و معروف ہو گیا اور ملک کے کئی علماء کرام اپنے اپنے علاقوں میں دورہ تفسیر قرآن کے لیے فیض ملت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کا وقت لیا کرتے تھے۔ [2]

مقاماتِ دورۂ تفسیرِ قرآن اور مشہور تلامذہ کے اسمائے گرامی:

فیض ملت نے پاکستان بھر میں دورہ تفسیرِ قرآن کے ذریعے علم کے موتی بکھیرے ہیں جنہیں خوشنصیب حضرات نے سمیٹ لئے ہیں۔ چونکہ فیض ملت کا تعلق پنجاب سے تھا لہذا سب سے پہلے صوبہ پنجاب کے مقاماتِ دورۂ تفسیرِ قرآن اور تلامذہ کا ذکرِ خیر کیا جاتا ہے۔

صوبہ پنجاب میں دورۂ تفسیرِ قرآن:

حضرت مفتی فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ نے صوبہ پنجاب کے مختلف شہروں میں تقریباً ساٹھ دورہ تفسیر القرآن پڑھائے۔ جن میں سے چھتیں دورہ تفسیر القرآن مرکزی دارالعلوم جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور میں پڑھائے جبکہ بقیہ چوبیس دورہ تفسیر القرآن پنجاب کے دوسرے اضلاع میں منعقد ہوئے جن میں سے چند کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

- مرکزی دارالعلوم جامعہ رسولیہ شیرازیہ لاہور
- جامعہ اسلامیہ سراج العلوم خان پور
- جامعہ اسلامیہ شوکت الاسلام پیپل والی مسجد خانیوال

---

[1] (ماہنامہ فیضِ عالم، بہاولپور،، ستمبر ۲۰۱۰)

[2] (محمد فیض احمد اویسی، احسن البیان فی اصول تفسیر القرآن، قطب مدینہ پبلشرز، کھارادر کراچی)

- جامعہ مسجد کوثر محلہ ریڑھی بان بہاولپور
- جامعہ اسلامیہ غوثیہ واحدیہ فیض العلوم میانوالی

ان دورہ تفسیر القرآن میں علماء، طلباء، خطبا، وکلاء، ڈاکٹرز اور آئمہ مساجد کے علاوہ دیگر شعبہ جات سے تعلق والے ہزاروں تشنگان علم اپنی علمی تشنگی بجھا چکے ہیں۔ جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور میں اب بھی ہر سال دورہ تفسیر القرآن منعقد ہوتا ہے۔

صوبہ پنجاب کے مشہور تلامذہ:

- حضرت علامہ مولانا عبد الحکیم شرف قادری
- حضرت علامہ اشرف القادری صاحب
- حضرت علامہ مفتی عبد المجید اویسی
- حضرت علامہ مفتی مختار احمد درانی
- حضرت علامہ مفتی امیر نوری نقشبندی
- حضرت علامہ مفتی غلام مصطفی رضوی
- حضرت علامہ مفتی غلام سرور قادری

صوبہ سندھ میں دورۂ تفسیرِ قرآن:

علامہ فیض احمد اویسی صاحب نے صوبہ سندھ کے مشہور ونامور مدارس میں کئی بار دورۂ تفسیرِ قرآن پڑھایا۔ کیونکہ آپ کے آباءواجداد کا تعلق سندھ سے تھا اس وجہ سے آپ کو سندھی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان دورہ تسفیر قرآن میں کثیر سندھی طلباء نے شرکت کر کے اپنی علمی پیاس کو بجھایا۔ مندرجہ ذیل مدارس میں آپ نے دورۂ تفسیرِ قرآن پڑھایا:

- مرکزی دارالعلوم جامعہ امجدیہ کراچی
- جامعہ اسلامیہ انوارالاسلام لاڑکانہ
- مرکزی جامع مسجد گلزارِ مدینہ کھارادر کراچی
- جامعہ راشدیہ پیر گوٹھ شریف خیر پور میرس

سندھ کے مشہور تلامذہ:

- حضرت علامہ مولانا مفتی عبد الستار چشتی رحمتہ اللہ علیہ
- حضرت علامہ مولانا مفتی عزیز اللہ صاحب مد ظلہ
- حضرت علامہ مولانا صاحبزادہ پیر سید عارف شاہ صاحب اویسی مد ظلہ
- حضرت علامہ مولانا پیر سید مظفر حسین شاہ صاحب مد ظلہ
- حضرت علامہ مولانا مفتی عبد الرحمن صاحب
- حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری صاحب مد ظلہ

صوبہ بلوچستان میں دورہ تفسیر القرآن:

حضرت علامہ مولانا علی نواز قادری صاحب کی دعوت پر آپ علیہ الرحمہ پنجاب اور سندھ کی طرح صوبہ بلوچستان میں بھی فیضِ رضا کو عام کرنے کے لئے کئی مرتبہ دورہ تفسیر القرآن اور خطابات کیلئے بلوچستان تشریف لے گئے۔ آپ کے دورہ تفسیر القرآن میں سینکڑوں علماء وطلباء نے شرکت کی۔ آپ کو ہر سال دربار حضرت پیر پہلوان علیہ الرحمہ کے سالانہ عرس مبارک پر خصوصی خطاب کے لئے مدعو کیا جاتا تھا جس میں آپ کئی کئی گھنٹے خطاب فرماتے۔ اس کے علاوہ بھی بلوچستان کے مختلف اضلاع میں درس قرآن اور درس حدیث دیتے۔ مندرجہ ذیل مدارس میں آپ نے دورہ تفسیر القرآن پڑھائے:

- جامعہ انتظامیہ انوار باہو ضلع ڈاڈر
- جامعہ اسلامیہ نوریہ منوجان کوئٹہ
- جامعہ فاروقیہ خوشیہ حاجی شہر ضلع کچھی

بلوچستان کے مشہور تلامذہ:

- حضرت علامہ مولانا مفتی غلام محمد صاحب مدظلہ
- حضرت علامہ مولانا محمد وارث صاحب خضدار مدظلہ
- حضرت علامہ مولانا افتخار احمد حبیبی علیہ الرحمہ
- حضرت علامہ مولانا محمد قاسم ساسولی صاحب مدظلہ
- حضرت علامہ مولانا علی نواز قادری صاحب مدظلہ
- حضرت علامہ مولانا غلام فاروق قادری اویسی مدظلہ
- حضرت علامہ مولانا غلام شبیر حبیبی صاحب مدظلہ

بیرونِ ملک کے مشہور تلامذہ:

- حضرت علامہ مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ (مدینہ منورہ)
- حضرت علامہ مولانا عبدالرحمٰن سندھی صاحب مدظلہ (مدینہ منورہ)
- حضرت علامہ مولانا قاری طیب نقشبندی صاحب مدظلہ (انگلینڈ)
- حضرت علامہ مولانا عبدالکریم نقشبندی صاحب مدظلہ (انگلینڈ)
- حضرت علامہ مولانا محمد ریاض صاحب مدظلہ (امریکہ)
- حضرت علامہ مولانا محمد احمد صاحب مدظلہ (امریکہ)[1]

[1] (مقالہ، علامہ اویسی کی مذہبی اور تصنیفی خدمات، ص ۸۰ سے ۷۸)

فیضِ ملت علیہ الرحمہ کی تقریری خدمات:

خطابت کی تعریف :

خطابت کے لغوی معنی وعظ کرنا اور خطبہ پڑھنا ہے۔

اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے:

خطابت نام ہے اس فن کا جس کی مدد سے اپنی بات دوسروں سے کہی اور منوائی جاسکتی ہو۔ اللہ تبارک و تعالی نے انسان کو قوتِ گویائی سے نوازا ہے جس کے مختلف مدارج ہیں اور ایک انسان جب بہت سے انسانوں کو خطاب کر کے اپنے جذبات واحساسات اور مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے تو اسے خطابت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ گویا اِس سے مراد وہ بیان ہے جو کسی بات کو واضح کرنے، اثر پیدا کرنے، ترغیب دینے یا سامعین کو کسی خاص عمل پر آمادہ کرنے میں مدد کرے۔ تقریر و خطابت بے حِس قوموں کو چونکاتی ہے، مُردہ جذبات کو زندہ کرتی ہے، حوصلوں کو بڑھاتی ہے، دلوں کو تسکین دیتی ہے، بگڑے ہوئے اخلاق کو سنوارتی ہے بگڑی ہوئی قوموں کو اٹھاتی اور ابھارتی ہے، غفلت بھری نیند سے قوموں کو بیدار کرتی ہے، غموں اور مصیبتوں کو دور بھگاتی اور دینی اور سیاسی جلسوں کو پُر لطف بنا دیتی ہے۔

مقصدِ تقریر و خطابت:

تقریر و خطابت کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں تک خدا تعالی کا پیغام پہنچایا جائے۔ لوگوں کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کیا جائے اور انہیں ایک نشانِ منزل دے کر یکسو کیا جائے تاکہ پوری اُمت کا ہدف ایک ہی ہو اور اس کا حصول ہی اس کی زندگی اور موت کا مسئلہ بن جائے۔ جو خطیب قوم کے اندر یہ ولولہ، یہ عزم، یہ ایثار و قربانی کا جوش و جزبہ پیدا کر دے وہ کامیاب مقرر ہے۔ نطق انسان کے امتیازات اور خواص میں سے ہے جس کی وجہ سے مناطقہ کے ہاں انسان کو حیوان ناطق کہہ کر دوسرے حیوانات سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ خطابت میں جس قدر فصاحت و بلاغت ہو گی اور مخاطبین کو سمجھانے کا بہتر انداز ہو گا اسی قدر وہ خطابت کمال کی حامل ہو گی۔

تقریر و خطابت کی اقسام:

موضوع کے لحاظ سے خطابت کی چار اقسام ہیں.

1) درسِ قرآن وحدیث

یہ خطابت قرآن وحدیث کی آیات واحادیث کے ترجمہ و تشریح، نکات و معارف اور اس سے حاصل ہونے والی حکمت و عبرت و نصیحت یا سبق وہدایت پر مشتمل ہوتی ہے۔

2) اصلاحی بیانات

یہ خطابت عقائد واعمال کی اصلاح، بدعات و بے جا رسومات کی تردید اور انہیں چھڑوانے کے لیے کی گئی مخلصانہ دعوتی کوشش پر مشتمل ہوتی ہے۔

3) علمی و فکری خطاب

علمی و فکری نشست سے خطاب خالصتاً علمی و فکری کاوش ہے۔ اس میں سطحیت و جذباتیت کا گزر نہیں۔ اس میں مقرر اپنے وسیع مطالعہ اور اعلیٰ ذہنی قوتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے تاریخی و زمینی حقائق، اہل علم کی آراء اور مستند اعداد و شمار کی مدد لیتے ہوئے مدلل تجزیئے اور جاندار تبصرے اور کارآمد تجاویز کے ذریعے سامعین کی علم و دانش میں اضافہ کرتا ہے.

4) عام تقریر:

عام تقاریر میں دینی و سیاسی بیانات، اجتماعات و جلوس سے خطاب اور مختلف محافل و مجالس میں کی جانے والی تقاریر آتی ہیں اور جمعتہ المبارک کے بیانات بھی اسی کے تحت آتے ہیں۔

کامیاب مقرِّر کی صفات:

کامیاب مقرِّر کی چار صفات درج ذیل ہیں:

1) صحتِ تلفّظ اور ادائیگی

2) صوتی تاثرات

3) چہرے کے احساسات

4) جسم کی حرکات و سکنات

مذکورہ بالا چار صفات اگر کسی مقرر میں پائی جائیں تو وہ کامیاب مقرر ہے۔

تقریر کی اہمیت:

تقریر و خطابت زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح دین کی ضروریات میں بھی بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو جب اللہ کریم سے کوہ طور پر ہم کلام ہونے کا شرف ملا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے آزاد کرنے کا حکم ملا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی اپنا معاون و مددگار کا درجہ دینے کی درخواست کی جسے بارگاہ خداوندی میں قبول کر لیا گیا اس کی وجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بیان فرمائی ﴿هُوَ أَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَاناً﴾[1] "کہ وہ زبان اور گفتگو میں مجھ سے زیادہ فصیح ہیں"۔ تعلیم دین کا اصل طریقہ جس کے واسطے حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے یہی وعظ و ارشاد ہے جس کے ذریعے سے وہ دین کی تبلیغ فرماتے تھے۔ علمائے کرام چونکہ ورثاءِ انبیاء ہیں لہذا ان پر بھی لازم ہے کہ تبلیغ دین میں تقریر و خطابت میں پختگی حاصل کریں ورنہ یاد رہے کہ عوام کی نظر میں خطیب ہی عالمِ دین ہے اگرچہ حقیقت میں وہ جاہل اور گمراہ ہی کیوں نہ ہو۔ حیرت کی بات ہے کہ جاہلوں کو تو وعظ کی جرات ہو اور علمائے کرام کو اس کی ہمت نہ ہو! جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب جہلاء علمائے

---

[1] (قصص:۳۴)

کرام کے سامنے بھی غلط باتیں بیان کرنے سے نہیں ڈرتے۔ یاد رہے ضروری نہیں کہ عالم با عمل ہی کو وعظ کرنے کی اجازت ہے بلکہ بے عمل عالمِ دین بھی اس نیت سے وعظ کر سکتا ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرتے کرتے ایک دن خود بھی با عمل ہو جاؤں گا۔ خطابت تو علماء کی شان ہے اور عوام میں اسی سے علماء کی پہچان ہے۔

فیضِ ملت کی تقریری خدمات:

آپ علیہ الرحمہ مقرر ہونے کی وجہ سے عوامی مزاج سے شناسا تھے۔ آپ کی تقریر کا خاصہ تھا کہ مشکل ترین کلام کو آسان زبان میں تمثیلات و امثال سے مزین کر کے پیش کرتے۔ ظاہر ہے کہ جب علم پختہ ہو جائے تو کلام کو آسان کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ کا یہ طرۂ امتیاز تھا کہ آپ کے بیان و درسِ قرآن سے عام آدمی بھی علومِ قرآن یا نکاتِ قرآن سے اسی طرح آگاہی حاصل کر لے جیسے خواص یا اہلِ علم۔ آپ کے بیان کی ایک انفرادیت یہ بھی تھی کہ بیان نہائت ہی سادہ انداز میں ہوتا تھا جس سے سامع اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔ فیضِ ملت کی فنِّ تقریر پر مہارت درجۂ کمال کی تھی۔ آپ کو تقریر کا ایسا ملکہ حاصل تھا کہ آپ کے خطابات کا چرچہ بھی دنیا بھر میں مشہور تھا۔ آپ کے خطابات کو سننے کے لئے لوگ دور دور سے دوڑے چلے آتے اور آپ کے خطابات سے مستفیض ہوتے۔ آپ کی تقاریر و خطابات علمی و فکری، عقائد و اعمال، ترغیب و ترھیب، فضائل و کمالات اور تحقیق پر مشتمل ہوتے تھے۔ آپ کے خطابات کی چند جھلکیاں ذکر کی جاتی ہیں:

یارسول اللہ کانفرنس فروری ۱۹۹۸:

فروری 1998ء میں جب فیض ملت کراچی تشریف لائے تو اہل کراچی نے اپنی قسمت کا ستارہ بلندی پر دیکھا۔ آپ کی یہ آمد در حقیقت بسلسلہ دورہ تفسیر قرآن کے تھی لیکن قبلہ فیض ملت کی کراچی آمد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مرکزی جامع مسجد اقصی نارتھ کراچی کی انتظامیہ نے فوری طور پر ایک کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کر دیا جس کا نام یارسول اللہ کانفرنس تھا۔ اس کانفرنس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس کانفرنس کا لنگر فیض ملت کی نایاب تصنیف 'چہل قدمی برائے میت' تھا یعنی خطاب کے بعد یہ رسالہ سب میں مفت تقسیم کیا گیا۔ یہ کانفرنس ہی نہیں بلکہ عشق رسول کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا کہ جس وقت فیض ملت نے عشقِ رسول کے موضوع پر خطاب فرمایا تو حاضرین فرطِ محبت سے دیوانہ وار واہ واہ اور سبحان اللہ کے تحسین آفرین جذبات کا اظہار کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ عشق رسول سب عبادتوں کی جان ہیں۔ بعدِ خطاب قبلہ فیضِ ملت نے دعا کرائی اور اس کانفرنس کا اختتام سلامِ اعلیٰ حضرت پر ہوا۔[1]

یارسول اللہ کانفرنس دسمبر ۱۹۹۸:

دسمبر 1998ء میں جب فیض ملت کا دوبارہ دورۂ کراچی ہوا تو آپ نے یارسول اللہ کانفرنس میں شاندار خطاب فرمایا جس کا موضوع حضور کی ثناخوانی اور عقائدِ اہلِ سنت پر مشتمل تھا۔ آپ نے اپنے اس خطاب میں فرمایا کہ معراج کا مسئلہ اگر صحیح طور پر سمجھو اور بیان کرو تو عقیدۂ اہلِ سنت خود بخود واضح ہو جائے گا۔ آپ کی زبان سے دلائل کا سمندر موجزن تھا۔ ہر شخص متوجہ

---

[1] (منزل بہ منزل، ج ۲، ص ۱۴۲)

تھاہمہ تن گوش خطاب سننے میں محو تھا۔اس خطاب کے اختتام پر بھی فیض ملت کی تصنیف کردہ کتاب "شرح قصیدہ غوثیہ مع خواص وبرکات" علماء ومشائخ کو بطور ہدیہ پیش کی گئی۔

اذان سے قبل درود وسلام:

2000ء میں چند شر پسند عناصر کی سازشوں سے بہاولپور کی پولیس نے علماءِ اہلسنت کو اذان سے قبل درود وسلام پڑھنے کی وجہ سے گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ تو علماءِ کرام نے اپنے اپنے خطابات میں حکومتِ وقت سے اپنے مطالبات میں کہا کہ اذان سے قبل درود وسلام پڑھنے والے کو مجرم قرار دینا سخت ناپسندیدہ عمل اور قابلِ مذمت ہے۔ اہلِ ایمان اِسے قبول نہیں کریں گے۔ اس موقع پر فیضِ ملت نے بھی جمعتہ المبارک کے خطبات میں جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور میں بھرپور احتجاج کرتے ہوئے فرمایا کہ پاکستان اسلام کا قلعہ اس وجہ سے ہے کہ یہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عُشاق بستے ہیں۔ حکومت اور پولیس انتظامیہ ایسے ہتھکنڈوں سے باز رہے جس سے عاشقانِ رسول کی دل آزاری ہوتی ہو۔ اِن خطابات اور علماء کی کوششوں کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ دوبارہ حکومت کی جانب سے اجازت مل گئی کہ اب عُشاقانِ رسول جوش وخروش سے اذان سے قبل درود وسلام پڑھ لیا کریں۔[1]

اب ہم محض فیض ملت کے خطابات کے عنوانات اور ان کے تحت چند باتیں ذکر کرتے ہیں:

1 ﴾ وسیلہ گیارہویں شریف:

اس خطاب میں فیضِ ملت نے نہ صرف نقلی دلائل سے بلکہ مظبوط ترین عقلی دلائل سے بھی وسیلے کا ثبوت پیش کیا اور لوگوں کو غوثِ پاک کے فضائل وکمالات سے آگاہ بھی کیا اور گیارہویں شریف منانے کی ترغیب بھی دی۔

2 ﴾ شانِ صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ:

اس خطاب میں فیضِ ملت نے حضرتِ ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے فضائل وکمالات ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صدّیقِ اکبر سے محبت کا تذکرہ بھی فرمایا، مزید یہ بھی کہ اعتراضاتِ منکرینِ افضلیتِ صدّیقِ اکبر کو دلائل سے دفع فرمایا اور لوگوں کو عقائد کے حوالے سے مظبوط رہنے کی تاکید بھی فرمائی۔

3 ﴾ شانِ رسالت:

اس خطاب میں فیضِ ملت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قصیدے گائے اور علمِ غیبِ مصطفٰی کو ثابت بھی کیا اور منکرینِ علمِ غیبِ مصطفٰی کی چھترول بھی کی۔ دورانِ خطاب عوام واہ واہ صدائیں لگانے لگی اور اپنے عقائد واعمال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے سنوارنے لگی۔

---

[1] (منزل بہ منزل، ج ۲، ص ۲۱۴)

4 ﴾ شانِ اعلیٰ حضرت:
اس خطاب میں فیضِ ملت نے اعلیٰ حضرت کی شان بیان فرمائی اور آپ کی علمی خدمات کا تذکرۂ خیر بھی فرمایا اور اعلیٰ حضرت کے دامن کو تھامنے کی نصیحت بھی لوگوں کو کی۔

5 ﴾ فضیلتِ علم وعلماء:
اس خطاب میں آپ نے علم وعلماء کی فضیلت بیان فرمائی اور لوگوں کو علماء کی قدر کرنے پر تنبیہ بھی کی۔ آپ نے علم وعلماء کی فضیلت قرآن وحدیث سے ثابت بھی کی اور علم حاصل کرنے کی ترغیب بھی دی۔

6 ﴾ فضائلِ مدینہ:
اس خطاب میں فیضِ ملت نے مدینہ شریف کے فضائل کا تذکرہ فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ شہرِ مدینہ کو صرف سرکار ﷺ کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے، مزید یہ کہ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کے ثواب سے بھی آگاہ کیا۔

ایسے کئی خطابات آپ علیہ الرحمہ نے فرمائے کہ جن میں قرآن وحدیث سے دلائل کے انبار لگادئے اور بد مذھبوں کے قلعے اُکھاڑ دئے جو ابھی بھی انٹرنیٹ پر دستیاب ہیں۔

فیضِ ملت علیہ الرحمہ کی تصنیفی خدمات:

قرآنِ کریم سے تصنیف کا ثبوت:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا کہ ﴿اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ یعنی "جس نے قلم سے لکھنا سکھایا"[1]
مذکورہ آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کتابت کی فضیلت بیان فرمائی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کتابت میں بڑے بڑے منافع اور فوائد ہیں اور کتابت سے ہی علوم کی بقاہے۔ سابقہ لوگوں کہ احوال، اقوال اور اُن کی اخبار اسی کتابت کے ذریعے سے محفوظ ہوئیں۔ اگر کتابت نہ ہوتی تو دین و دنیا کے کام قائم نہ رہ سکتے۔[2]

حدیثِ مبارکہ سے تصنیف کا ثبوت:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ 'رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "علم کو قید کرلو!" میں نے عرض کی "اسے قید کرنا کیاہے؟" تو آپ ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا کہ "علم کو لکھ لینا اسے قید کرنا ہے"[3]

---

[1] (العلق:۴)

[2] (خازن، العلق، تحت الآیۃ)

[3] (مستدرک، کتاب العلم، قید العلم بالکتاب)

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں علم کو قید کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور حضور ﷺ نے خود اسکی وضاحت یہ فرمائی کہ تصنیف کرنے سے علم قید ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کئی احادیثِ مبارکہ میں تصنیف کا ذکر ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "نبیِ کریم ﷺ کے صحابہ کرام میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو مجھ سے زیادہ احادیثِ مبارکہ یاد ہوں سوائے عبداللہ بن عمرو کے کیوں کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔" اس فرمان سے بھی ہمیں تصنیف کی فضیلت اور اہمیت کا اور اسکے کارآمد عمل ہونے کا پتہ چلتاہے اور یہ بھی کہ اس فن کو اختیار کرنا باعثِ برکت ہے۔

علامہ اویسی نوّر اللہ مرقدہ کی تبحرِ علمی:

علامہ فیض احمد اویسی نوراللہ مرقدہ نہ صرف ایک شخصیت کانام ہے بلکہ تاریخ کا ایک باب بھی ہے آپ ایک علمی شخصیت تھے جس کو سورج یا سمندر سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جن کا کنارہ یا ساحل نہیں ہوتا۔ آپ نے اپنی پوری زندگی تعلیم حاصل کرنے تعلیم دینے اور شریعت محمدی ﷺ کی پیروی میں گزاری۔ آپ کو علم سے بہت پیار تھا آپ اپنے وقت کے عظیم سکالر تھے آپ ایک قابل علمی شخصیت تھے جب کبھی کسی موضوع پر گفتگو فرماتے تو محققانہ دلائل سے موضوع کوواضح فرمادیتے۔ آپ کی شخصیت عام لوگوں کے لئے عظیم نعمت تھی۔ قرآن وحدیث، تفسیر وفقہ، لٹریچر اور منطق وفلسفہ میں آپ کی شخصیت ناقابل موازنہ تھی۔ آپ کا خطاب علم تحقیق اور حکمت سے مکمل ہوتا تھا آپ انتہائی پیچیدہ مسائل کونہایت ہی آسان اور سادہ طریقے سے حل فرماتے تھے۔

آپ کی تصانیف طرح طرح کے علوم سے تعلق رکھتی ہیں جن میں قرآن و تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت و سوانح، تصوف، تاریخ ورجال، توقیت و فرائض، فلسفہ و منطق، سیاسیات و معاشیات، تہذیب و تمدن، زبان وادب، تنقید و تقابل، تعویذ و تکسیر، سائنس وحساب، سفر نامے، شروح وحواشی وغیرہم شامل ہیں۔ تصنیف کرنا کوئی آسان کام نہیں بلکہ نہایت ہی مشکل کام ہے۔ اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے توچند ہی ہستیاں ایسی نظر آتی ہیں جن کی عمر کو دیکھا جائے اور تصنیفی خدمات کو دیکھا جائے تو انسان حیران رہ جاتاہے کہ اتنی مختصر سی زندگی میں اتنابڑا تصنیفی کام کیسے سرانجام دیا۔ حضرت امام جلاالدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں آتاہے کہ آپ ایک دن میں تین ضخیم رسالے تصنیف وتالیف کرتے تھے آپ کے بعد امام احمد رضاخاں قادری بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات مبارکہ ہے جو کہ تدریس وتقریر کے علاوہ تصنیفی میدان میں بھی شہوار نظر آتی ہے جنھوں نے ایک ہزار سے زائد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ کے فیض سے مفتی فیض احمد ویسی علیہ الرحمہ کی ذات گرامی ان مقتدر بلند پایہ اور یگانہ روزگار شخصیات میں سے ہیں جن کے فکر وفن، علم وحکمت اور عشق ومحبت کے پُرشوق تذکروں سے عرب وعجم کا چپہ چپہ گونج رہاہے۔ مختصر سے عرصہ میں آپ نے جو کارہائے گراں مایہ انجام دیئے ہیں اس حیرت انگیز روئیداد سے اہل علم وخرد کا ایک عالَم محوِ حیرت ہے۔ آپ کے پُرشوکت سرمایہ قرطاس وقلم اور عشقِ مصطفے ﷺ پر تحقیقات وایجادات کی بلندیوں کے روبرو مشرق ومغرب کے کسی معاصر محقق کو کھڑا کرنا تو دور کی بات ہے صدیوں کے دامن پر پھیلی ہوئی منتظم اور ہنگامہ خیز تحریکوں کے نتائج بھی انکے ہم پلہ اور ہم وزن نظر نہیں آتے۔ آپ کی تدریس وتصنیف کامرکزی نقطہ نظر اور بنیادی نصب العین عظمتِ توحید اور ناموسِ رسالت ﷺ کا تحفظ تھا۔ اسی کے گرد آپ کا پورا کاروانِ فکر وعمل دائر نظر آتاہے۔ آپ جب

لکھنے بیٹھتے تھے تو آپ کی قلم کی نوک سے مضامین کا طوفان اُمنڈنے لگتا تھا اور بغیر کسی وقفہ کے آپ کا قلم مسلسل حرکت میں رہتا تھا۔ آپ کے تبحّرِ علمی اور وسعتِ مطالعہ کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مختلف علوم وفنون پر آپ کی تصنیفات کم اور کیف دونوں اعتبار سے مُحیرّ العقول اور عجوبہ روزگار تھے۔

مولانا فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ ایک ایسی شخصیت سے عبارت ہیں جو کہ اپنی ذاتِ یکتا میں پوری جماعت کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ عقل ان کی ذات میں حیرانگی کے عالم میں گم ہے کہ کس طرح ایک شخص اس قدر اوصاف اپنائے ہوئے تھا۔ جسے ہمہ وقت جدید وقدیم علوم وفنونِ اسلامیہ پیشِ نظر تھے اور ان علوم وفنون میں کمال و دسترس کا یہ عالم تھا کہ ان تمام ہی علوم وفنون میں کوئی نہ کوئی کتاب لکھی ہے فقط اگر کوئی مصنف کسی ایک علم وفن پر کوئی یا رسالہ لکھتا ہے تو وہ خود فخر محسوس کرتا ہے مگر مفتی فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کی کیفیات ہی کچھ اور تھیں کہ تمام ہی علوم وفنون پر خامہ فرسائی کرنے اور صحائفِ ابیض کو اپنے قلم سے مزین کرنے کے باوجود بھی عاجزی وانکساری کی انتہاؤں میں جا کر اپنی ذات کی ہمیشہ نفی فرماتے تھے۔ موجودہ دور میں اگر کوئی شخص چند کتابوں کا مصنف ہو تو اُسے مصنفِ اعظم کہا جاتا ہے اب اگر یہی معیار ہے کہ مخصوص کتب کے مصنف کو مصنفِ اعظم کہا جائے تو میرا قلم یہاں حیران ہے کہ میں فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کو جو کہ 5000 (پانچ ہزار) سے زائد کتب کے مصنف تھے ان کو کس لقب سے پکاروں؟ یہاں تو القابات بھی بہت چھوٹے نظر آرہے ہیں مگر بفضلِ خدا آپ کی ذات اُن سے کہیں بلند وبالا ہے کیونکہ آپ نے یہ کام شہرت ولقب پانے کے لئے نہیں کیا بلکہ خدا اور رسول ﷺ کو راضی کرنے کے لئے کیا تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے خلوص ومحبت اور کمال عاجزی کی برکت سے آپ کو وہ کمال و نام عطا فرمایا جس کی مثال نہیں ملتی۔

علامہ اویسی نے درج ذیل علوم وفنون پر تصانیف مرتب کی ہیں:

1) علمِ تفسیر	2) علمِ اصولِ تفسیر	3) علمِ حدیث	4) علمِ اصولِ حدیث
5) علمِ فقہ	6) علمِ اصولِ فقہ	7) علمِ میراث	8) علمِ تصوّف
9) علمِ منطق	10) علمِ فلسفہ	11) علمِ بلاغت	12) علمِ قرأت و تجوید
13) علمِ نجوم	14) علمِ صرف	15) علمِ نحو	16) علمِ تعبیر الرؤیاء
17) علمِ قیافہ	18) علمِ معانی	19) علمِ عروض	20) علمِ حیاتیات
21) علمِ لغت	22) علمِ مناظرہ	23) علمِ طب	24) علمِ عقائد وکلام
25) علم	26) تراجم	27) شروح	28) اخلاق و آداب
29) عقائدِ اہلِ	30) سائنس	31) فضائل ومناقب	32) اوراد ووظائف
33) سفرنامہ	34) فنِ تلخیص	35) ردِّ قادیانیت	36) ردِّ آغاخانی
37) ردِّ تبلیغی	38) ردِّ شیعہ	39) ردِّ عیسائیت ویہودیت	40) ردِّ وہابی و دیوبندی

علم التفسیر:

تفسیر کا لغوی معنی کشف اور ظاہر کرنا کے ہیں اس کے اصطلاحی معنی کی وضاحت میں علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں کہ واضح لفظوں کے ساتھ آیت کے معنی کو بیان کرنا، اس سے مسائل اخذ کرنا، اس کے متعلق احادیث و آثار بیان کرنا اور اس کا شانِ نزول بیان کرنا علم تفسیر کہلاتا ہے۔

علامہ ابو الحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ " تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق، ان کے مدلولات، ان کے مفرد اور مرکب ہونے کے احکام، حالت ترکیب میں ان کے معانی اور ان کے تتمات سے بحث کی جاتی ہے "[1]

اصولِ تفسیر:

علمِ اصولِ تفسیر سے مراد ایسے قواعد کا جاننا کہ جن کو پیشِ نظر رکھنے سے قرآن کے معانیِ مقصودہ کی تشریح اور اور احکامِ شرعیہ کو اخذ کیا جاسکے۔

تفسیر کے لئے علومِ ضروریہ:

اہلِ فن نے فنِ تفسیر کے لئے درج ذیل علوم وفنون پر مہارت ضروری قرار دی ہے :

۱) علمِ لغت ۲) علمِ نحو ۳) علمِ صرف ۴) علمِ اشتقاق ۵) علمِ معانی ۶) علمِ بیان

۷) علمِ بدیع ۸) علمِ قرأت ۹) علمِ عقائد ۱۰) علمِ فقہ ۱۱) علمِ اصولِ فقہ

۱۲) علمِ اسباب نزول ۱۳) علمِ ناسخ و منسوخ ۱۴) ان احادیث کا علم جو قرآن کی مکمل آیات کی تفسیر میں واقع ہوئی ہیں ۱۵) اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ خاص علم[2]

فیضِ ملت اور فنِ تفسیر:

حضرتِ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں " ہر چیز کا علم قرآنِ کریم میں ہے اور کوئی چیز جو قرآنِ میں رہ گئی وہ ابد تک رہ گئی "[3]
آپ نے یہاتک فرمایا کہ " اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں اسے کتاب اللہ میں پالوں گا "[4]
امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں " صرف اعوذ باللہ اور بسم اللہ سے ہزاروں نہیں لاکھوں مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں "[5]

---

[1] (علامہ ابو الحیان اندلسی، البحر المحیط، جلد ۱، ص ۲۶)

[2] (امام جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ج ۲، ص ۸۶۴)

[3] (الاتقان، ج ۱، ص ۷۴)

[4] (الاتقان، ج ۲، ص ۷۲۷)

[5] (الاتقان، ج ۲، ص ۷۲۷)

علامہ فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ نے عربی تفاسیر کا دو سو پچھتر سالہ ریکارڈ توڑا۔ برِ صغیر پاک و ہند میں تفسیرِ مظہری کے بعد کوئی بھی عربی تفسیر منظرِ عام پر نہیں آئی اور اہل علم ایک ایسی تفسیر کیلئے بے قرار تھے جس میں سابقہ تفاسیر کا نچوڑ ہو اور بالخصوص ایسی تفسیر جس میں عشقِ رسول ﷺ کا جام چھلکتا ہوا نظر آئے تو علامہ اویسی صاحب نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے قلم اٹھایا اور دس جلدوں میں عربی تفسیر بنام "فضل المنان فی تفسیر آیات القرآن" لکھ کر اہلِ اسلام پر احسانِ عظیم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ﴿ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ﴾[1] کے تحت آپ کی محنت کو نہ صرف پاکستان بلکہ عرب ممالک میں بھی عام کر دیا۔ علامہ اُویسی صاحب نے اس عظیم خدمتِ دین سے فیضیابی کے لئے علمِ تفسیر و اصولِ تفسیر پر دَر جَنوں کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اس موضوع پر نہ صرف آپ نے رسائل لکھے بلکہ باقاعدہ ۱۵ مجلدات پر مشتمل اپنی تفسیرِ اُویسی لکھی اس کے علاوہ "روح البیان" کا اُردو ترجمہ بنام "فیوض الرحمن" ۳۰ جلدوں میں تحریر کیا۔ مختصراً اس دور میں شاید ہی کسی نے علمِ تفسیر کی اس قدر خدمت کی ہو جتنی کہ علامہ اویسی علیہ الرحمہ نے کی ہے۔

فیضِ ملت اور کتبِ تفسیر:

۱) فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان (۳۰ جلدیں)	۲) فضل المنان فی تفسیر القرآن (۱۵ جلدیں)
۳) تفسیرِ اویسی (۱۵ جلدیں)	۴) فیض الرسول فی اسباب النزول (۱۰ جلدیں)
۵) احسن البیان فی اصول تفسیر القرآن (۳ جلدیں)	۶) تفسیر بالرائے (۳ جلدیں)
۷) الھلالین ترجمہ و شرح جلالین (۵ جلدیں)	۸) فیض القدیر فی اصول التفسیر
۹) تاریخ تفسیر القرآن	۱۰) ازالۃ المشتبہات فی آیات المشتبہات
۱۱) اعجاز القرآن	۱۲) فتح المغلقات فی آیات المقطعات
۱۳) تفسیر سورۃ فاتحہ	۱۴) تفسیر ورفعنا لک ذکرک
۱۵) تفسیر انک لا تھدی	۱۶) خیر الخلاص تفسیر سورہ اخلاص
۱۷) نور الایمان فی ان جمیع العلم فی القرآن	۱۸) الاسعاف فی تفاسیر الاحناف[2]

[1] (سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۵۴)

[2] (علم کے موتی)

علمِ حدیث:

حضور نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال کو حدیث کہتے ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں حدیث کے تحت ہر وہ چیز داخل ہے جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہو خواہ اقوال و افعال اور احوال ہوں یا تقریرات وصفات ہوں بلکہ بعض محدثین نے تو صحابہ و تابعین کے اقوال و افعال کو بھی حدیث میں داخل مانا ہے۔
علامہ عینی شرح بخاری عمدۃ القاری میں علم حدیث کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ "علم حدیث وہ علم ہے جس سے حضور نبی کریم ﷺ کے اقوالِ طیبہ، افعالِ مبارکہ اور احوالِ حسنہ معلوم ہوں"۔[1]

علمِ اصولِ حدیث:

اس سے مراد وہ علم ہے جس میں صفاتِ رجال اور صِیَغ ادا کی حیثیت سے احادیثِ نبویّہ کی صحّت وضُعف اور قبول وعدمِ قبول کے بارے میں بحث ہو۔ بالالفاظ دیگر اُصولِ حدیث ان قواعد کے جاننے کو کہتے ہیں کہ جن کے ذریعے سے ردو قبول کے اعتبار سے راوِی و مروِی کا حال معلوم ہو۔

علمِ حدیث کی اہمیت :

اسلام میں کلام اللہ (قرآن پاک) کے بعد کلامِ رسول ﷺ (حدیثِ پاک) کا درجہ ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کے اقوال واحوال اور آپ ﷺ کے شب وروز کے معمولات ہی مسلمانوں کیلئے سرچشمہ ہدایت ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضورِ اکرم ﷺ کی زندگی کے ایک ایک ورق کو حفظ کیا، خلوت وجلوت، سفر وحضر اور نجی حالات سے لے کر عام سیاسی معاملات تک حضور ﷺ کی زندگی کا کوئی واقعہ ایسا نہیں ہے کہ جس کو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے محفوظ نہ کیا ہو۔ وہ حضور ﷺ کی احادیث کا تذکرہ کرتے اور سینوں سے لے کر صحیفوں تک انہیں محفوظ رکھتے۔ ان کے بعد تابعین کِرام اور تبعِ تابعین نے حفظ اور کتابت کے اس عمل کو جاری رکھا یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری کے بعد حدیث کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی اور ابواب وکتب کی ترتیب سے حدیث کی کتابیں مدوّن ہوئیں۔ یوں ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی جامع سیرت اور دین کی مکمل تصویر پہنچانے کا اہتمام فرمایا۔ اکابر علماءِ ملّت اور اسانید شریعت نے علمِ حدیث کی تحصیل کیلئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ انہوں نے بارہا مرتبہ صرف ایک حدیث کی خاطر سینکڑوں میل کا سفر کیا، طلبِ حدیث میں کوئی چیز ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ انہوں نے احادیث کو اپنے سینوں میں اور پھر نوشتوں میں محفوظ کیا، ناقلینِ حدیث کو پَرکھنے کیلئے علمِ رِجال ایجاد کیا اور اس میدان میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے۔ مگر حدیث کے ان عظیم کارناموں کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم کو یہ معلوم ہو کہ علم حدیث کی دِین میں کیا اہمیت ہے اور اگر اُمّت کے پاس آج احادیثِ مبارکہ کا یہ سرمایہ نہ ہوتا تو دِین کی کیا شکل وصورت ہوتی۔

---

[1] (علامہ عینی، شرح بخاری عمدۃ القاری)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے انسانی معیشت کے اصول اور مبادی اجمالاً بیان فرمائے جن کی تعبیر و تشریح بغیر احادیثِ نبویہ کے ممکن نہیں۔ نیز احکام کی صورت بیان کرنے کیلئے اُسوۂ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ضرورت ہے۔ احادیثِ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہمیں قرآنی احکام کی عملی تصویر مُہیّا کرتی ہیں، مثلاً صلوۃ، زکوۃ، تیمّم، حج اور عمرہ محض الفاظ ہیں، لغتِ عربی ان الفاظ کے وہ معانی نہیں بتاتی جو شرع میں مطلوب ہیں پس اگر احادیثِ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم موجود نہ ہوں تو ہمارے پاس قرآنِ پاک کے معانیِ شرعیہ متعین کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا۔

علمِ حدیث اور علامہ اویسی علیہ الرحمہ:

محدثین نے کتبِ احادیث کو مدوّن کرکے بِلاشبہ ایک گراں قدر کارنامہ سرانجام دیا اور اسکے ساتھ مختلف زبانوں میں کتبِ حدیث کی شروحات اور تراجم منظرِ عام پر لائے اور ہر ایک شارِح اور مترجِم نے جو کچھ لکھا اپنے علم کے مطابق لکھا۔ شارِحین اور مترجِمین میں حضرت مفتی فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کا مقام نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ آپ بحیثیتِ مُحَدِّث بہت بلند مقام پر نظر آتے ہیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی احادیثِ مبارکہ سے آپ والہانہ محبت کرتے تھے اور درسِ حدیث کے دوران جو انداز سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آج سے تیرہ سو سال قبل اپناتے تھے یعنی عُمدہ لباس، اعلیٰ جُبّہ و دستار، بہترین قسم کی خوشبو لگا کر دُنیا وما فیھا سے بے نیاز ہو کر بالکل اسی طرح آپ کا اندازِ درسِ حدیث ہوتا تھا کہ جب حدیث کا سبق شروع ہو جاتا تھا تو پھر چاہے کوئی امیر آئے یا غریب، کوئی پیغام لے کر آئے یا کوئی خبر، کسی کو طاقت نہیں ہوتی تھی کہ دورانِ سبق دَخل اندازی کرے۔

حضرت اویسی علیہ الرحمہ حدیث فہمی میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے کیونکہ حدیث کا فیض امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ سے سینہ بسینہ مولانا سردار احمد قادری علیہ الرحمہ (فیصل آباد) کے واسطہ سے آپ تک پہنچا۔ تفسیرِ روح البیان کا ترجمہ اور عربی تفسیرِ قرآن "فضل المنان فی تفسیر آیات القرآن" کی سعادت حاصل کرنے کے بعد علامہ اویسی خود فرماتے تھے کہ 'دلی آرزو تھی کہ خدمتِ قرآن کی طرح خدمتِ حدیث کی بھی سعادت حاصل ہو جائے۔ اگرچہ عمر کے ایسے حصہ میں پہنچا ہوں کہ شاید اسے مکمل نہ کرسکوں لیکن وہ کریم ذات ضرور پایہ تکمیل تک پہنچائے گی۔ اگرچہ حدیثِ پاک کی خدمت کے بے شمار شعبے تھے مگر آپ نے بخاری شریف کی شرح لکھنے کا ارادہ کیا، اگرچہ بخاری شریف کی پہلے بے شمار شروحات تھیں مگر ہر دور کے مسائل اور فتنے مختلف ہوتے ہیں اس لئے آپ نے ایسے خوبصورت انداز میں شرح لکھی کہ جس سے عالِم بھی مستفیض ہوتا ہے، طالبِ علم بھی، خطیب بھی، امام بھی، عصری علوم والا بھی مستفیض ہوتا ہے تو ایک عام آدمی بھی مستفیض ہوتا ہے الغرض آپ نے ہر لحاظ سے ایک جامع شرح لکھی۔ آپ نے شرح کا نام "الفیض الجاری فی شرح صحیح البخاری" تجویز کیا۔ اس شرح کی خاص بات یہ ہے کہ شرح کے شروع میں سو(۱۰۰) صفحات کا ضخیم مقدمہ ہے جس میں حدیث کے ہر موضوع پر سیر حاصل مواد فراہم کیا گیا ہے اور یہ مقدمہ ہی اس شرح کی جان ہے۔ یہ شرح دس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد تقریباً سات سو(۷۰۰) صفحات پر مشتمل ہے۔[1]

---

[1] (مقالہ علامہ فیض احمد اویسی کی مذھبی و تصنیفی خدمات، ص۸۶)

علامہ اویسی علیہ الرحمہ کی علمِ حدیث واصولِ حدیث پر کتب:

۱)الفیض الجاری فی شرح صحیح البخاری [۱۰ جلدیں]	۲)انوار المغنی شرح سنن دار قطنی [۱۰ جلدیں]
۳) شرح صحیح مسلم [۱۰ جلدیں]	۴)الاحادیث السنیہ فی الفتاوٰی الرضویہ [۱۰ جلدیں]
۵)شرح سنن دارمی [۸ جلدیں]	۶)شرح جامع ترمذی [۵ جلدیں]
۷)الاحادیث الموضوعہ [۵ جلدیں]	۸)اللمعات شرح مشکوٰۃ [۴ جلدیں]
۹) شرح شعب الایمان	۱۰)تعلیقات علی المشکوٰۃ
۱۱)شرح اربعینِ نووی	۱۲)الحدیث الضعیف
۱۳)اصطلاحاتِ علمِ حدیث	۱۴)اصطلاحات الروایات وغیرہ وغیرہ۔۔۔

علمِ فقہ:

فقہ کے لغوی معنی کسی چیز کو جاننا ہے پھر یہ علم شریعت کے ساتھ خاص ہو گیا۔ اصطلاح اہلِ شرح میں فقہ کی مشہور تعریف یہ ہے کہ فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو کہ احکام کی ادلہ تفصیلیہ سے حاصل ہو۔ احکام فروعی وہ ہیں جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہے اور احکام اصلی وہ ہیں جن کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے۔ احکام کی ادلہ مفصلہ چار(۴) ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔

علمِ فقہ کی اہمیت:

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے"۔ نیز ارشاد فرمایا کہ "ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے"۔ کیونکہ عابد کی عبادت بلا بصیرت ہوتی ہے اس لئے شیطان پر بہت آسان ہے کہ اسے شکوک و شبہات میں مبتلا کر کے گمراہ کر دے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں دو قسم کے اصحاب تھے ایک وہ جو ہمہ وقت حفظِ حدیث اور روایتِ حدیث میں مشغول رہتے تھے اور دوسرے وہ جو نصوص میں غور و تفکر کر کے مسائل و احکام کے استنباط میں مصروف رہتے تھے۔ تمام مذاہبِ فقہ میں عروج و دوام صرف چار(۴) مذاہب کو حاصل ہوا ہے یعنی فقہ حنفی، فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی۔ اگرچہ اس کے علاوہ دیگر فقہی مذاہب بھی موجود تھے مگر مرورِ زمانہ کے سبب یا دیگر وجوہات کی بناء پر وہ رَفتہ رَفتہ ختم ہوتے چلے گئے لہٰذا اب ان چار(۴) مذاہب کے پیروکار پوری دنیا میں موجود ہیں (جب کہ اہل تشیع فقہ جعفریہ پر عمل پیرا ہیں)۔

صاحب الاشباہ والنظائر نے فقہ کی عظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا: "اَلْفِقْهُ اَشْرَفُ الْعُلُوْمِ قَدْرًا وَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا وَ اَتَمُّهَا عَائِدَةً وَ اَعَمُّهَا فَائِدَةً وَ اَعْلَاهَا مَرْتَبَةً يَمْلَأُ الْعُيُوْنَ نُوْرًا وَ الْقُلُوْبَ سُرُوْرًا وَ الصُّدُوْرَ اِنْشِرَاحًا" یعنی "علمِ فقہ تمام علوم میں قدر و منزلت کے اعتبار سے بڑا اشرف والا ہے اور اجر کے اعتبار سے بھی اس کا مرتبہ اونچا ہے، یہ اپنے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بھی بہت بلند ہے اور یہ آنکھوں کو نور اور جلا بخشتا ہے، دل کو سکون و فرحت دیتا ہے اور اس سے شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے۔[1]

فیضِ ملت اور علمِ فقہ:

حضرت علامہ فیض احمد اویسی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جہاں بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا وہیں علمِ فقہ کے میدان میں بھی یدِ طولیٰ عطا فرمایا تھا۔ تحقیق و تدقیق کے علمی میدان میں آپ کے قلمِ گوہر رقم نے بے مثال خدمات سر انجام دیں ہیں۔ جدید و قدیم بے شمار مسائل پر آپ نے لاتعداد کتب اور رسائل لکھے ہیں۔ فقہ حنفی کے مسائل کی توضیح کا معاملہ ہوتا یا پھر کسی جدید مسلے کا شرعی حکم بیان کرنا ہوتا تو علامہ اویسی ہر علمی محاذ پر نہایت پُر اعتماد ہو کر دلائل و براہین اور کتبِ اکابرین و سلف صالحین کے حوالہ جات سے مسائل کو واضح کرتے تھے اور سائل و معترض کو نہایت سنجیدگی اور سادگی سے مسئلہ کا حل ذہن نشین کراتے تھے۔

علم فقہ میں سب سے اہم شعبہ فتویٰ نویسی کا ہے جس میں قدم قدم پر نہایت احتیاط سے چلنا پڑتا ہے۔ علامہ اُویسی صاحب نے علوم و فنونِ اسلامیہ کے ہر علمی میدان کی طرح یہاں پر بھی شاندار مثالیں قائم کیں ہیں۔ فتاوی جات کے حوالے سے آپ نے چھوٹے بڑے کئی کتب ورسائل تحریر کیے ہیں۔ ضخیم مجلدات میں آپ کا فتاویٰ اویسیہ آپ کی فقاہت و ذہانت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ الغرض آپ نے سینکڑوں کتب علمِ فقہ کے حوالے سے تحریر کی ہیں۔ ذیل میں چند کتب ورسائل کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

فیضِ ملت کی فقہ سے متعلق چند کتب:

۱) فتاوٰی اویسیہ [۱۲ جلدیں]	۲) حاشیہ قدوری	۳) شرحِ ھدایہ
۴) شرحِ وقایہ	۵) کار آمد مسئلے	۶) الاقساط فی الحیلۃ والاسقاط
۷) احکام المسبوق	۸) اشد البلاء سی کتابت النساء	۹) حلال و حرام جانور کی تفصیل
۱۰) زکٰوۃ کے مسائل	۱۱) اکمل البیان فی ابحاث الاذان	۱۲) جراب پر مسح وغیرہ وغیرہ۔۔۔[2]

---

[1] (الاشباہ والنظائر)

[2] (علم کے موتی)

علمِ اصولِ فقہ:

فقہاءِ کرام کے ہاں علمِ اصولِ فقہ سے مراد وہ اُصول ہیں جن پر فقہ کی بنیاد قائم ہو۔ اسی لئے علامہ کمال الدین ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب التحریر" میں علمِ اصولِ فقہ کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ 'اُصول فقہ اُن قواعد کا علم ہے جن سے تفصیلی ادلہ کے ساتھ عملی احکام کے استنباط کی شاہراہ قائم ہو' مثلاً علمِ اصول یہ ثابت کرتا ہے کہ امر مقتضیِ وجوب ہوتا ہے اور نہی مقتضیِ تحریم پس جس وقت فقیہ نماز یا زکوۃ کا حکم نکالنا چاہے کہ واجب ہے یا غیر واجب تو وہ اس آیت "اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو" کو سامنے رکھے گا پھر اس اُصول کے پیشِ نظر حکمِ شرعی کا استنباط کرے گا۔

علامہ اویسی کی کتبِ اصولِ فقہ:

١) حقیقت الیاقوت شرح مسلم الثبوت
٢) عرفِ عام یا عادات
٣) اصل اباحت ہے
٤) اصولِ فقہ
٥) شرح اصول الشاشی
٦) اجماعِ امت
٧) زینۃ القرطاس بالاجماع والقیاس
٨) المقیاس فی ابحاث القیاس
٩) الامتیاز بین الحقیقۃ والمجاز
١٠) سلب الطغوٰی عن عموم البلوٰی[1]

علمِ منطق:

منطق کے لغوی معنی بولنا اور گفتگو کرنا ہے۔ علامہ سید جرجانی لکھتے ہیں کہ "علمِ منطق ایسا علمی و قانونی آلہ ہے جس کی رعایت ذہن کو خطا فی الفکر سے بچاتی ہے"۔

علامہ اویسی کی علمِ منطق سے متعلق چند کتب:

١) سر المکتوم ترجمہ و شرح سلم العلوم
٢) ترجمہ و شرح مرقاۃ
٣) تعلیم منطق
٤) قواعدِ منطق
٥) نقشہ قواعدِ منطق
٦) ترجمہ و شرح ایساغوجی
٧) ترجمہ و شرح میر قطبی
٨) فیض الحسیب ترجمہ و شرح تہذیب
٩) کشف المبہم شرح مسلم[2]

---

[1](علم کے موتی)

[2](ایضًا)

علمِ مناظرہ:

مناظرہ کے لغوی معنی بحث کرنا ہے۔
اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ دو چیزوں کے درمیان نسبت میں جھگڑنے والوں کا درست بات کے لئے متوجہ ہونا[1]

علمِ مناظرہ اور علامہ اویسی علیہ الرحمہ:

حق و باطل کی کشمکش ہمیشہ سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ سہولت پسند طبیعتیں اور شمعِ محفل بننے کی خواہش رکھنے والے حضرات کہتے ہیں کہ سب حق پر ہیں جتنے بھی فرقے ہیں اصولی طور پر ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے ہاں بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہے جن کی حیثیت تعبیر کے اختلاف سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن ہر دور میں ایسے مردانِ حق کی کمی نہیں رہی جو کسی ترغیب اور تحریص کا شکار ہوئے بغیر برملا باطل کی سرکوبی اور حق کی حمایت کرتے رہے ہیں۔
ایسے مردانِ حق میں سے حضرت اویسی علیہ الرحمہ کی ذاتِ گرامی بھی تھی۔ ہر میدان میں عظمت و ناموسِ رسالت ﷺ کا علم اور اسلام کی حقانیت اور عظمت کا پرچم بلند فرماتے تھے۔ آپ کی آمد کی خبر اور نعرہ حق کی گونج سے دشمنانِ دین و کفار و مرتدین کے بڑے بڑے مایہ ناز علماء اور مناظرین کے دل ہِل جاتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ علامہ اویسی علیہ الرحمہ اسلام کے بے باک مبلغ تھے کلمہ حق کی اشاعت کے لئے آپ کی پوری زندگی وقف تھی۔ حق بات کہنے سے کوئی طاقت آپ کہ روک نہیں سکی۔ جب بھی زمانے کے کسی بڑے سے بڑے مناظر نے پاکستان کے کسی بھی گوشے سے اہلِ سنت کو للکارا تو اویسی صاحب علیہ الرحمہ دینِ متین کے ایک محافظ ہونے کی حیثیت سے معرکہ آراء ہو جاتے تھے۔ کوئی مناظر ایسا نہیں تھا جو آپ کے مقابلے میں عاجز نہ آگیا ہو۔ میدانِ مناظرہ میں آپ کی شہسواری اور مہارت تامہ کے باعث اہلِ اسلام کو عظیم فتوحات حاصل ہوئیں۔ آپ کے ہاتھوں میں عزم و ہمت اور استقلال و استقامت کی لکیریں تھیں۔ آپ کے قدم ہمیشہ حق کی حمایت کے جذبے سے اٹھتے تھے اور آپ کا نام سُن کر مناظر مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کرتے تھے۔

علامہ اویسی کی علمِ مناظرہ کے متعلق چند کتب:

۱) شرحِ مناظرہ رشیدیہ	۲) علم المناظرہ	۳) مناظرۂ علمِ غیب
۴) مناظرۂ حاضر و ناظر	۵) مناظرے ہی مناظرے	۶) مناظرۂ اویسی بہ عیسائی
۷) مناظرۂ سٹھ میل	۸) شکست فاش مناظرہ	۹) مناظرۂ لودھراں
۱۰) مناظرۂ لالہ موسیٰ	۱۱) غیر منقوط	۱۲) مناظرۂ لوس ملتان وغیرہ۔۔۔[2]

---

[1] (مناظرہ رشیدیہ، ص۹)

[2] (علم کے موتی)

علمِ الصرف:

علمِ صرف وہ علم ہے جس سے کلموں کی ساخت اور ان کو تبدیل کرنے کے قواعد معلوم ہوتے ہیں۔

علامہ اویسی کی علمِ صرف سے متعلق چند کتب:

۱)النجاح ترجمہ وشرح مراح الارواح ۲)ترجمہ وشرح ابیاتِ الصرف ۳)ابواب الصرف مع قوانین
۴)فضلِ الٰہی شرح صرفِ بہائی ۵)نقشہ قواعد الصرف ۶)ہدایۃ الطلبہ عرف مشکل صیغے
۷)صرفِ اویسی ۸) فیض الکبیر ترجمہ وشرح صرفِ میر ۹)فیاضی شرح زرادی وغیرہ۔۔۔[1]

علم النحو:

علمِ نحو سے وہ مراد علم ہے جس میں اواخرِ کلماتِ موضوعہ کے احوالِ اعراب وبناءاور ترکیب وافراد سے بحث کی جائے،اِسے علم الاعراب بھی کہتے ہیں۔

فیضِ ملت علیہ الرحمہ کی نحو سے متعلق چند کتب:

۱)التوضیح الکامل ترجمہ وشرح شرحِ مائۃ عامل ۲)احسن الحدیث فی بیان التذکیر والتانیث
۳)التحائف السنیہ فی التراکیب النحویہ ۴)الفیض الکبیر ترجمہ وشرح نحو میر
۵)تنشیط الاذہان فی اذاتنازع الفعلان ۶)نعم الحامی شرح شرح جامی
۷) ترجمہ وشرح ہدایۃ النحو ۸)ترجمہ وشرح کافیہ
۹)نقشہ ٔقواعدِ نحو ۱۰)اویسیہ فی علم النحو وغیرہ وغیرہ۔۔۔[2]

علم الکلام:

اسلامی عقائد سے متعلقہ مباحث کا نام علمِ کلام ہے بشرطیکہ اصولِ شرعیہ سے استنباط کے ساتھ ادلہ عقلیہ سے بھی کام لیا جائے ورنہ صرف علم العقائد کہتے ہیں۔

علمِ کلام وہ علم ہے جس میں عقائد دینیہ کی معرفت کے واسطے ذاتِ باری تعالی اور فلسفیات واقسامِ ممکنات سے بحث ہو۔اس علم کی غرض وغایت یہ ہے کہ اصولِ شرعیہ کے موافق عقائدِ اسلامیہ سے معرفت حاصل ہو۔

علامہ اویسی کی علم العقائد والکلام سے متعلق چند کتب:

۱)القواعد الاویسیہ ترجمہ وشرح عقائدِ نسفیہ ۲)حق الیقین فی عقائد المجددین
۳) کشف الغمہ فی عقائد اہل السنہ ۴)الفتوح فی حقیقت الروح
۵)نعم الرحیق فی عقائد صدیق ۶)نعم الصواب فی عقائد عمر بن خطاب

---

[1] (علم کے موتی)

[2] (ایضًا)

۷)الرضوان فی عقائد عثمان　　۸)عنایۃ اللہ فی عقائد شاہ ولی اللہ

۹)قرآن صفتِ الٰہی ہے　　۱۰)روح کو موت نہیں

۱۱)اللہ تعالیٰ تُو یا آپ　　۱۲)زندہ روحوں کی زندہ باتیں

۱۳)سایۂ عرش کے مزے　　۱۴)عقائدِ اسلامی

۱۵)امام غزالی کے عقائد　　۱۶) امام سیوطی کے عقائد　وغیرہ وغیرہ۔۔۔[1]

علم المیراث:

اس کے معنی "ترکہ" ہیں۔یعنی وہ مال جو میت چھوڑ کر مرے۔اسے علم الفرائض بھی کہا جاتا ہے۔

علم المیراث کی اہمیت:

میراث کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کریم نے قرآن میں اس کی تفصیلات کو کئی آیات میں بیان فرمایا۔ دیگر احکام بھی قرآن میں بیان ہوئے جیسے زکوۃ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی فرضیت اور فضیلت کو تو قرآن میں بیان فرمایا مگر اس کی مقدار بیان نہیں فرمائی۔ لیکن میراث کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا اور ورثاء کے حصوں کو بھی واضح فرمایا۔ میراث کی شرعی تقسیم میں کتنی کوتاہی ہوتی ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ میراث کے مسائل ہر عالم اور مفتی کو یاد بھی نہیں ہوتے اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہوں نے یہ مسائل پڑھے نہیں ہوتے بلکہ وجہ یہ ہے کہ ان سے کوئی میراث کے مسائل پوچھنے والا ہی نہیں ہوتا حالانکہ ہر روز ہزاروں مسلمان فوت ہو رہے ہیں لہذا ہونا تو یہ چاہیے کہ مسائل پوچھنے والوں کی قطاریں لگی ہوں لیکن ایسا نہیں ہوتا! میراث کی اسی اہمیت کے پیش نظر حضور علیہ السلام نے علم میراث سیکھنے اور سکھانے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم علم الفرائض (علم میراث) سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ کیونکہ میں وفات پانے والا ہوں اور بلاشبہ عنقریب علم اٹھایا جائے گا اور بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو آدمی حصہ میراث کے بارے میں باہم جھگڑا کریں گے اور انہیں کوئی شخص نہیں ملے گا جو ان کے درمیان اس کا فیصلہ کرے"[2]۔ اسی طرح ایک اور مقام پر آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم فرائض (میراث) سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ وہ نصف علم ہے"۔

فیضِ ملت اور کتبِ علمِ میراث:

۱) زبدۃ المیراث خلاصہ سراجیہ　　۲)مسائلِ میراث　　۳)فتاویٰ میراث

۴)شرح ابیاتِ میراث　　۵)شرح اشعارِ علم میراث　　۶)خلاصہ میراث　وغیرہ وغیرہ۔۔۔[3]

---

[1](علم کے موتی)

[2](مستدرک علی الصحیحین، جزء۴، ص۳۶۹)

[3](علم کے موتی)

فنِ شرح اور علامہ اویسی علیہ الرحمہ:

جب کوئی مصنف کسی مضمون پر قلم اُٹھاتا ہے تو وہ یا تو کسی ایسی چیز کا اختراع کرتا ہے جس کا وجود اُس سے قبل نہیں ہوتا جیسا کہ متقدمین کی تصانیف یا پھر کسی ناقص کام کی تکمیل کرتا ہے جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالین، یا پھر کسی مضمون کا اختصار کرتا ہے جیسا کہ علامہ سعد الدین تفتازانی کی کتاب مختصر المعانی، یا پھر متفرق اشیاء کو جمع کرتا ہے جیسا کہ علامہ برہان الدین کی کتاب ہدایہ یا پھر مخلوط و غیر مربوط مضمون کو مرتب و مہذب کرتا ہے جیسا کہ علامہ قزوینی کی کتاب تلخیص المفتاح یا پھر کسی فن کے قواعد و مسائل کو اختصار کے ساتھ ترتیب دیتا ہے جیسا کہ علامہ ابن حاجب کی کتاب کافیہ؛ یا پھر کسی مغلق بات کی تشریح کرتا ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب مستطاب فتح الباری۔ مذکورہ طریقِ تالیف میں آخر الذکر (کسی مغلق بات کی تشریح) کو فنِ شرح کہا جاتا ہے یعنی کسی مصنف کی کتاب کے مندرجات مغلقہ کی آسان انداز میں توضیح کرنا جس سے کہ مقصودِ مصنّف بآسانی واضح ہو جائے۔ یہ فن کئی لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل ہے اور بالخصوص جب کہ اس کا تعلق دینیات و اسلامیات کی کتب سے ہو کیونکہ شرح کرتے ہوئے اُصول و قواعدِ شریعت کے پیشِ نظر اس انداز سے وضاحت کرنی ہوتی ہے جس سے مقصود بھی حاصل ہو جائے اور شریعت کی مخالفت بھی لازم نہ آئے۔

شارح کے لئے کئی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں یعنی اگر اس کتاب کے مندرجات پر اعتراضات ہوں تو ان کے جوابات دے اور جو شکوک و شبہات وارِد ہوں ان کے تسلّی بخش جوابات دے جہاں تاویل کے بغیر چارہ نہ ہو تو وہاں اُصولِ شرعیہ کے پیشِ نظر تاویل کرے۔ مقصودِ مصنِّف کو حتّی الامکان دلائل سے مزیّن کرے الغرض مصنِّف کی تصنیف کردہ کتاب کی تمام تر ذمہ داریاں شارِح پر ہوتی ہیں اب شارِح کا کام ہے کہ وہ کس طرح ان ذمہ داریوں سے عہدہ بر آں ہوتا ہے۔ علامہ اویسی نے جہاں دیگر علوم و فنون میں اپنی مہارت کا سِکّہ بٹھایا ہے وہیں فنِ شرح کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں ہیں۔ آپ کی شروحات میں ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نہایت آسان ہوا کرتی ہیں جس سے بآسانی ہر عام و خاص مستفید ہو سکتا ہے آپ نے تقریبا ۱۵ فنون سے متعلق کتب کی مایہ ناز شروح لکھیں ہیں جن میں زیادہ تر کا تعلق علمِ حدیث سے ہے۔[1]

لمعۃ النور فی ترجمۃ شرح الصدور فی احوال الموتٰی والقبور:

شرح الصدور حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطی الشافعی کی تصنیف ہے علامہ اویسی علیہ الرحمہ نے اس کا اردو ترجمہ لمعۃ النور فی ترجمۃ شرح الصدور کے نام سے فرمایا۔ اس کے ترجمہ کا آغاز اگست 1998ء کو حرمین شریفین کے مبارک سفر کے دوران فرمایا۔ آپ اس کتاب کے متعلق خود لکھتے ہیں کہ "اس سفر مقدس میں نہ صرف ترجمہ ہوا بلکہ نہایت مفید ترین حواشی سے بھی اس کتاب کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا۔ اس کے زیادہ تر مضامین مدینہ طیبہ میں ہی معرض تحریر میں آئے۔ اس کے ترجمہ کا اختتام نومبر ۱۹۹۸ء کو ہوا۔ اس کے 482 صفحات ہیں یہ کتاب جولائی 1999ء کو شبیر برادرز لاہور نے شائع کی۔

[1] (مقالہ علامہ فیض احمد اویسی کی مذہبی و تصنیفی خدمات، ص ۹۷)

مجمع البرکات شرح وحواشی دلائل الخیرات:

دلائل الخیرات حضرت الشیخ ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان الجزولی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۸۷۰ھ) کی تصنیف ہے۔ علامہ اویسی علیہ الرحمہ نے مجمع البرکات شرح دلائل الخیرات کے نام سے اس کی شرح تحریر فرمائی ہے۔ یہ شرح عطاری پبلشرز کراچی نے شائع کی۔

مرقاۃ السالکین ترجمہ وشرح مرآۃ العارفین:

مرآۃ العارفین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی (مسئلہ وحدۃ الوجود پر) مایہ ناز تصنیف ہے۔ حضرت محمد فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ نے مرقاۃ السالکین کے نام سے اس کا ترجمہ وشرح لکھی ہے یہ کتاب ۳۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ علامہ اویسی علیہ الرحمہ کتاب کے ابتدائیہ میں حمد وصلوٰۃ کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو متعدد احباب نے مرآۃ العارفین کی شرح لکھنے کا حکم فرمایا۔ مسئلہ وحدۃ الوجود میں یہ ایک عجیب تصنیف ہے۔ یہ فن دور حاضرہ میں اجنبی سمجھا جاتا ہے لیکن یہ فن ہمارے مشائخ کرام وعلماء عظام کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑانی اور حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہما کے دور اقدس میں اس فن کا خوب چرچا تھا۔ اس کو سمجھنے کے لیے علمی وسعت ضروری ہے۔ حضرت اویسی علیہ الرحمہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہر قول کی شرح قرآن وحدیث سے بیان فرمائی ہے تا کہ پڑھنے والا معرفت کے سمندر سے فیض یاب ہو سکے۔ سلوک کی منزلیں طے کرنے والے سالک کے لیے شرح رہنما ہے آپ نے اس شرح کی تکمیل ۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ کو فرمائی۔ جس کی ترتیب وتزئین حضرت سید علی اکبر گیلانی نے کی۔ جسے نہایت ہی عمدہ کتابت مضبوط جلد کے ساتھ نجابت علی تارڑ نے زاویہ پبلشرز لاہور سے شائع کیا۔

الحقائق فی الحدائق شرح حدائق بخشش:

حضرت اویسی قدس سرہ نے امتِ مسلمہ کی رہبری اور ہنمائی کے جہاں ہزاروں رسائل اور بیش بہا کتب تصنیف وتالیف فرمائیں وہاں آپ نے اسلام کے جلیل القدر امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے بہت ضخیم کتب ورسائل تحریر فرمائے ہیں۔ آپ نے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبے ہوئے نعتیہ کلام دیوان حدائقِ بخشش کی شرح بنام الحقائق فی الحدائق المعروف شرح حدائق بخشش ۲۵ مجلدات میں فرمائی ہے۔ [1]

[1] (مقالہ علامہ فیض احمد اویسی کی مذہبی وتصنیفی خدمات، ص ۹۸)

بابِ دوم

(حدائقِ بخشش اور اس کی شروحات کا تعارف)

فصلِ اول:

حدائقِ بخشش کا تعارف:

"**حدائقِ بخشش**" اعلٰی حضرت، اِمامِ اَھلسنّت، ولیِ نعمت، عظیمُ البرَکت، عظیمُ المرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجدّدِ دین وملّت، حامیِ سُنّت، ماحِیِ بدعت، عالِمِ شَرِیعَت، پیرِ طریقت، رہبر شریعت، باعثِ خَیرُ وبرَکت، حضرتِ علّامہ مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ امام اَحمد رضاخان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرحمٰن کا نعتیہ دیوان ہے۔ یہ دیوان بالخصوص پاک وہند میں نہایت مشہور ومقبول ہے۔

"حدائق" عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب 'باغات' ہے۔ جبکہ "بخشش" فارسی زبان کا لفظ ہے اور اسکا معنی انعام، عطیہ، معافی، عفو، درگزر کے ہیں۔ "حدائقِ بخشش" کے مرادی معنی یہ ہوئے کہ ایسے باغات جو انعام اور عطیہ ہیں معافی، عفو اور درگزر کا۔ بلاشبہ سیدی اعلی حضرت کا یہ نعتیہ دیوان بخشش کے باغات کا ایک جہاں ہے اور یقیناً اسرارِ نعت کا بیش بہا خزینہ ہے۔ "حدائقِ بخشش" کا مطالعہ کرنے والے کبھی بھی تشنہ کام نہیں رہتے۔ اگر میں یہ کہوں تو بہت مناسب ہو گا کہ "حدائقِ بخشش" وہ پہلا زینہ ہے جو اپنے شائق کو بارگاہِ رسالت ﷺ میں لے جاتا ہے۔ جب شائق اس بارگاہِ عشق میں داخل ہو جاتا ہے تو یہاں پر اسے وہ سب کچھ مل جاتا ہے جسکی اسے تلاش وجستجو ہوتی ہے۔ اس طرح سے یہ پہلا زینہ اس کے لئے آخری زینہ ثابت ہوتا ہے۔ پہلے زینہ سے تربیت شروع ہو جاتی ہے۔ اُسے تمام انبیاءِ کرام، صحابہ کرام، اہلِ بیتِ اطہار، تابعین، تبع تابعین اور اولیاءِ کاملین وبزرگانِ دین کی محبت سے سرشار کر دیا جاتا ہے۔

کسی بھی کتاب کے تعارف اور اسکے معتبر ومستند ہونے کو جاننے کے لئے اس کے مصنف کو دیکھا جاتا ہے۔ ویسے تو یہ کتاب بھی کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ اس کے مصنف ہی ایسی کامل وکمال شخصیت ہیں کہ خود تعارف انکا محتاج ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کر دیا گیا کہ "حدائقِ بخشش" سیدی وسندی اعلی حضرت امام احمد رضاخان علیہ الرحمۃ الرحمٰن کی نعتیہ دیوان ہے تو اب انکے بارے میں کچھ مختصر تعارف پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں اگرچہ یہ سورج کہ آگے چراغ جلانے کی مثل ہو گا۔

مصنف کا نام:

"حدائقِ بخشش" کے مصنف امامِ اہلِسنت، مجدد دین وملت، پروانۂ شمعِ رسالت، حامیِ سنت، ماحیِ بدعت، پیرِ طریقت، رہبر شریعت، الحافظ القاری الشاہ امام **احمد رضاخان** فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ علیہ الرحمہ کا پیدائشی نام محمد ہے لیکن آپ کی والدہ ماجدہ پیار سے آپ کو امّن میاں کہہ کر پکارا کرتی تھیں جبکہ آپکے والدِ ماجد اور دیگر اقرباء احمد میاں کے نام سے بلاتے تھے۔ آپ کے جدِّ امجد نے آپ کا نام احمد رضا رکھا اور یہی نام مشہور ہوا۔ آپ علیہ الرحمہ خود اپنا نام عبد المصطفٰی لکھتے تھے۔[1]

[1](سیرتِ رضا، مؤلف محمد منیر رضا عطاری، تخریج علامہ عبد الواحد مدنی صاحب مد ظلہ العالی، ص ۱۲)

شجرۂ نسب:

محمد سعید اللہ خان شش ہزاروی

↓

سعادت یار خان

- محمد اعظم خان
  - حافظ محمد کاظم علی خان
    - مولانا شاہ رضا علی خان
      - مولانا نقی علی خان
        - اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان
        - مولانا حامد رضا خان
        - مولانا محمد رضا خان
- معظم خان
- مکرم خان

ولادتِ سعادت:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بروز ہفتہ ظہر کے وقت شہر بریلی کے محلہ جسولی میں بریلی کے مشہور خانوادے میں پیدا ہوئے۔

جناب علی محمد خان صاحب (اعلی حضرت کے بھانجے) فرماتے ہیں کہ "میری والدہ مرحومہ اعلی حضرت کی بڑی بہن تھیں، وہ فرماتی تھیں کہ جب اعلی حضرت پیدا ہوئے تھے تو میرے والد اُن کو جنابِ دادا کے پاس لے گئے۔ آپ نے دیکھ کر گود میں لیا اور فرمایا کہ یہ میرا بیٹا بہت بڑا عالم ہو گا، اور جب منجھلے میاں مولانا حسن رضا صاحب پیدا ہوئے ان کو دیکھ کر فرمایا: یہ میرا بیٹا مستان ہو گا۔ اعلی حضرت کا تاریخی نام المختار ہے۔ [1]

---

[1] (حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص 47، مطبوعہ اکبر بک سیلرز لاہور)

اعلیٰ حضرت کی تعلیم:

صحیح طور پر نہ معلوم ہو سکا کہ حضور کی بسم اللہ خوانی کس عمر میں ہوئی۔ مگر وقت بسم اللہ خوانی عجیب واقعہ پیش آیا حضور کے استاد محترم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد الف، با، تا، ثا، جس طرح پڑھایا جاتا ہے، پڑھایا۔ حضور انکے پڑھانے کے مطابق پڑھتے رہے۔ جب لام الف (لا) کی نوبت آئی، اُستاذ نے فرمایا: کہو، لام الف۔ حضور خاموش ہو گئے، اور انہیں کہا، استاد نے دوبارہ کہا: کہ میاں !لام الف۔ حضور نے فرمایا کہ یہ دونوں تو پڑھ چکے ہیں۔ لام بھی پڑھ چکے ہیں۔ الف بھی پڑھ چکے ہیں، یہ دوبارہ کیسا؟ اس وقت حضور کے جد امجد اعلیٰ حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز نے کہ جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے فرمایا: بیٹا! استاذ کا کہا مانو، جو کہتے ہیں پڑھو۔ حضور نے اپنے جد امجد کے حکم تعمیل کی۔ اور اپنے جد امجد کے چہرے کی طرف نظر کی۔ حضور نے اپنی فراست ایمانی سے سمجھا کہ اس بچے کو شبہ ہو رہا ہے کہ یہ حروف مفردہ کا بیان ہے، اب اس میں ایک مرکب لفظ کیسے آیا؟ ورنہ یہ دونوں حرف الگ الگ تو پڑھ ہی چکے ہیں۔ اگر چہ بچے کی عمر کے اعتبار سے اس راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ تھا، اور سمجھ سے بالا خیال کیا جاتا۔ مگر، ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات، حضرت جد امجد نے نور باطنی سے سمجھا کہ یہ لڑکا کچھ ہونے والا ہے، اس لئے ابھی سے اسرار و نکات کا ذکر اُن کے سامنے مناسب جانا اور فرمایا: بیٹا! تمہارا خیال درست اور سمجھنا بجا ہے، مگر بات یہ ہے کہ شروع میں تم نے جس کو الف پڑھا حقیقت وہ ہمزہ ہے، اور یہ در حقیقت الف ہے۔ لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، اور ساکن کے ساتھ ابتدا ناممکن۔ اس لئے ایک حرف یعنی لام، اول میں لا کر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔ حضور نے فرمایا: تو کوئی ایک حرف ملا دینا کافی تھا، اتنے دور کے بعد لام کی کیا خصوصیت ہے؟ با، تا، دال، سین، بھی اول لا سکتے تھے۔ حضرت جدِّ امجد نے غایت محبت و جوش سے گلے لگالیا، اور دل سے بہت دعائیں دیں اور پھر فرمایا کہ لام اور الف میں صورۃً سیرۃً مناسبت خاص ہے۔ ظاہراً لکھنے میں بھی دونوں کی صورت ایک سی ہوتی ہے۔ اور سیرۃً اس وجہ سے کہ لام کا قلب الف ہے اور الف کا قلب لام ہے، یعنی یہ اُس کے بیچ میں ہے۔ شریعت میں وہ اگر امام ابو حنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے قدم بہ قدم ہیں، تو طریقت میں حضور پر نور سیدنا غوث اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے نائب اکرم ہیں۔ رضی اللہ تعالی عنہم [1]

سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ کاشانۂ اقدس پر ایک مولوی صاحب چند بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ حضور بھی ان سے کلام اللہ شریف پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ مولوی صاحب کسی آیتِ کریمہ میں بار بار ایک لفظ حضور کو بتاتے تھے، مگر آپ کی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ وہ زبر بتاتے تھے اور آپ زیر پڑھتے تھے۔ یہ کیفیت حضور کے جدِّ امجد حضرت مولانا رضا علی خان صاحب قطب الوقت (رحمۃ اللہ تعالی علیہ) نے دیکھ کر حضور کو اپنے پاس بلالیا، اور کلامِ پاک منگوا کر دیکھا تو اُس میں کاتب سے اعراب کی غلطی ہو گئی تھی، زیر کی جگہ زبر لکھ دیا تھا، اور اس طرح بے صحیح طبع ہو گیا تھا، یعنی جو حضور (رضی اللہ تعالی عنہ) کی زبانِ مبارک سے نکلتا تھا، وہی صحیح تھا، حضور سے حضرت جدِّ امجد (رضی اللہ تعالی عنہ) نے فرمایا کہ مولوی صاحب جس طرح تم کو بتاتے تھے اس طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ عرض کیا: میں ارادہ کرتا تھا کہ اس طرح پڑھوں، مگر زبان پر قابو نہ پاتا

---

[1] (حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص 52 تا 53، مطبوعہ اکبر بک سیلرز لاہور)

تھا۔ حضرت جدِّ امجد (قدس سرہ العزیز) نے فرمایا: خوب! اور تبسم فرما کر سر پر ہاتھ پھیرا، اور دل سے دُعا دی۔ پھر اُن مولوی صاحب سے فرمایا: یہ بچہ صحیح پڑھ رہا تھا، حقیقتاً کاتب نے غلط لکھ دیا ہے۔ پھر قلمِ فیض رقم سے اس کی تصحیح فرمادی۔ [1]

فارغ التحصیل:

صرف ۱۳ سال دس ماہ چار دن کی عمر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ میں تمام علوم سے فراغت حاصل کی اور اور دستار فضیلت ہوئی۔ خود اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور یہ واقعہ ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کا ہے جب میں تیرہ سال دس ماہ چار دن کا تھا اسی روز مجھ پر نماز فرض ہوئی۔ اور میرے اوپر احکام شرعیہ لازم ہوئے تھے۔ [2]

سبحان اللہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کیا ہی شان ہے کہ صرف تیرہ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم کی تکمیل کرلی۔ اور اسی دن پہلا فتوی لکھا تھا۔ [3]

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد صاحب کی نگرانی میں فتویٰ نویسی کا آغاز کیا اور سات برس بعد مکمل اجازت مل گئی پھر جب والد محترم مولانا نقی علی خان کا وصال ہوا تو پھر سارے کام آپ کے ذمے تھے اس کو اعلیٰ حضرت مکمل کرتے رہے اور تا عمر اعلیٰ حضرت اپنے والد کی جگہ فتویٰ نویسی کرتے رہے۔ مستقلاً اس ذمہ داری آپ نے لی اور تاعمر فتویٰ نویسی کرتے رہے۔ [4]

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد جہاں فتویٰ نویسی کی ذمہ داری لی وہیں تدریس بھی شروع کی اور چند سال تک طلبہ کو پرھاتے رہے لیکن پھر جب مصروفیات بڑھی تو پھر اسے ترک کردیا۔ [5]

اعلی حضرت کے مرشدِ کریم:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۹۴ ھ میں ایک روز پریشانی کے عالم میں سوگئے خواب میں داداجان مولانا رضا علی خان تشریف لائے اور فرمایا کہ عنقریب وہ شخص آنے والا ہے جو تمہارے درد دل کی دوا کرے گا۔

دوسرے ہی روز اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مارہرہ مقدسہ کی طرف روانہ ہوئے۔ شیخ عبد القادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھ بیعت کے لیے ماہرہ مقدسہ لے گئے۔ جب اسٹیشن پہ پہنچے تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ: شیخ کامل کی خوشبو آرہی ہے۔ پھر اس کے بعد ایک مقام پر تیاری وغیرہ کر کے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے۔

اس کے بعد جب بیعت کے لیے سید شاہ آل رسول حسینی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم تو کئی روز سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ پھر بیعت فرمایا اور تمام سلسلوں کی خلافت واجازت عطا فرمادی۔ [6]

---

[1] (حیاتِ اعلیٰ حضرت، مطبوعہ اکبر بک سیلرز لاھور، ص53)

[2] (تجلیاتِ امام احمد رضا از محمد امانت رسول، مطبوعہ برکاتی، ص27)

[3] (حیات مولانا امام احمد رضا خان بریلوی، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مطبوعہ کراچی ص50)

[4] (ایضا، مطبوعہ کراچی ص50)

[5] (ایضا، مطبوعہ کراچی ص49)

[6] (فیضانِ اعلی حضرت، مطبوعہ شبیر برادرز، ص315 تا316)

جب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو تمام سلاسل کی اجازت عطا ہوئی تو حاضرین کو تعجب ہوا کیونکہ شاہ آل رسول کسی کو خلافت دینے سے پہلے ایک عرصے تک عبادت وریاضت کرنے کا کہتے پھر عرصے کے بعد خلافت دیتے لیکن اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ۲۲ سال کے تھے جب بارگاہ میں حاضر ہوئے تو تمام سلسلوں کی خلافت واجازت عطا فرمادی۔ تو شیخ ابو الحسین نوری نے شاہ آل رسول سے پوچھا کہ: اس ۲۲ سالہ بچے کو خلافت دینے کی کیا وجہ ہے۔ تو شاہ آل رسول قادری نے فرمایا: کہ میں ایک عرصہ سے متفکر تھا کہ اگر قیامت کے دن خدا نے پوچھا کہ اے آل رسول! کیا لائے ہو؟ تو میں کیا پیش کروں گا لیکن آج میرے دل کو اطمینان ہو گیا اگر بروز قیامت خدا نے پوچھا کہ کیا لائے ہو تو احمد رضا پیش کر دوں گا۔ اور فرمایا: دیگر لوگ میرے پاس آتے تو میلے دل لاتے تھے لیکن جب احمد رضا آئے ہیں تو پہلے ہی ان کا دل صاف اور روشن ہے[1]

"روزِ محشر اگر مجھ سے پوچھے خدا — بول آلِ رسول تو لایا ہے کیا
عرض کر دوں گا لایا ہوں احمد رضا — یا خدا یہ امانت سلامت رہے"

وصالِ مبارک:

اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعالٰی علیہ نے اپنی وفات سے 4ماہ 22 دن پہلے خود اپنے وِصال کی خبر دے کر پارہ 29 سورۃ الدھر کی آیت 15 سے سالِ انتقال کا اِستخراج فرمادیا تھا۔ اِس آیتِ شریفہ کے عِلمِ اَبجَد کے حساب سے 1340 عَدَد بنتے ہیں اور یہی ہجری سال کے اعتبار سے سنِ وفات ہے۔ وہ آیتِ مبارکہ یہ ہے: ﴿وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ﴾[2]
ترجَمۂ کنزالایمان: "اور ان پر چاندی کے برتنوں اور کُوزوں کا دَور ہو گا"۔[3]

25 صفر المظفَّر ۱۳۴۰ھ مطابق 28 اکتوبر 1921ء کو جُمُعَۃُ الْمبارَک کے دن ہندوستان کے وَقت کے مطابِق 2 بجکر 38 مِنَٹ (اور پاکستانی وقت کے مطابِق 2 بجکر 8 مِنَٹ) پر، عَین اذانِ جُمعہ کے وَقت اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، ولیِ نِعمت، عظیمُ البرَکت، عظیمُ المَرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجَدِّدِ دین وملّت، حامیِ سُنّت، ماحِیِ بدعت، عالِمِ شَرِیعَت، پیرِ طریقت، باعثِ خَیرُ و بَرَکت، حضرتِ علّامہ مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ امام اَحمد رضا خان عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ الرحمٰن نے داعیِٔ اَجل کو لبَّیک کہا۔[4]

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ — اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

"تُم کیا گئے کہ رونقِ محفِل چلی گئی
شعر وادب کی زُلف پریشاں ہے آج بھی"

[1] (فیضان اعلیٰ حضرت،، مطبوعہ شبیر برادرز، ص317)
[2] (الدھر 15:29)
[3] (سوانح امام احمد رضا، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، ص ۳۸۴)
[4] (سوانح امام احمد رضا ص388، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ)

اعلیٰ حضرت کی فنِ شاعری:

امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اپنے دور کے سب سے بہترین شعرا میں سے تھے، اعلی حضرت کی شاعری میں جہاں توحید کا بول بالا ہے وہیں نبی ﷺ کی محبت کی بہترین جھلک اور ہندوستان کے شاعروں کی شاعری میں وہ بات نہیں جو صرف اعلی حضرت کی شاعری میں ملے گی۔

اعلی حضرت کی شاعری بھی الگ ہوا کرتی ہے، عشقِ رسول ﷺ آپ کا سرمایۂ حیات تھا۔ جس کا عملی نمونہ آپ کی پوری زندگی اور آپ کا کردار و عمل تھا۔ اپنی نعتیہ شاعری کو آپ نے اپنے جذبۂ عشقِ رسول ﷺ کا ذریعۂ اظہار بنایا۔ آج عالَم یہ ہے کہ جہانِ علم و فضل میں کارِ رضا، فکرِ رضا، یادِ رضا اور ذکرِ رضا کی دھوم ہے۔ خاص کر اعلی حضرت کی شاعری میں ایک الگ ہی پہچان ہے۔ ہر بزم میں اعلیٰ حضرت کا چرچا ہے۔ ہر فن کی بلندی پر فکرِ رضا کا علَم لہرا رہا ہے۔ ہر جہت میں کارِ رضا کی گونج ہے۔ ہر گلشن میں بریلی کے گلِ ہزارہ کی خوشبو ہے۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرَّحمٰن چودھویں صدی ہجری کے مُجدّد، بہت بڑے عالم اور مفتی ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجے کے نعت گو شاعر بھی تھے، رِوایتی شُعرا کی طرح آپ غور و تفکُّر کرکے اور باقاعدہ اہتمام سے اشعار نہیں لکھتے تھے بلکہ جب عشقِ رسول کے جذبات غالب آتے اور مدینۂ منورہ کی یاد ستاتی تو اپنے جذبات کو اشعار کی صورت میں بیان فرما دیتے تھے۔[1]

کلامِ رضا کا ایک حصہ نہ مل سکا:

افسوس کہ امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا سارا کلام محفوظ نہیں رہ سکا اور آپ کی حیاتِ ظاہری میں ہی کئی کلام گم ہو گئے تھے، خود فرماتے ہیں: "بے زحمتِ فکر خدا جو چاہتا ہے بندہ عرض کرتا ہے، پھر اسے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے کی فکر نہیں ہوتی، بہت ایسا ہوتا ہے کہ مُتفرِّق اَوراق پر لکھ ڈالتا ہوں یہاں تک کہ عربی، فارسی اور اردو منظُومات کی چار بیاضیں گم کر چکا ہوں اور فکرِ تلاش سے آزاد ہوں کہ جو کچھ رقم ہو گیا وہ اِنْ شَآءَ اللہ اس کثیرُ السَّیِّاٰت (گناہگار) کے نامۂ حَسَنات (نیکیوں کے رجسٹر) میں ثَبت ہو گیا، میرے اعمال سے وہ باہر جانے والا نہیں، خواہ میرے ساتھ رہے یا نہ رہے"۔[2]

حدائقِ بخشش کی چند جھلکیاں:

مفتیِ اعظم ہند مولانا محمد مصطفٰی رضا خان صاحب فرماتے ہیں:

"مولانا سید ارشاد علی صاحب اور مولانا سید محمد ناطق شاہ صاحب اعلٰی حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ 'حضور! اب تک کوئی ایسی نعت پاک نظر سے نہیں گزری جس میں چار زبانوں کا استعمال ہو، آپ سے عرض ہے کہ ایسی نعتِ پاک تحریر فرمائیں جس میں اردو، ہندی، عربی اور فارسی یہ چار زبانیں شامل ہوں'۔ اعلٰی حضرت نے فرمایا" فقیر کا ناتو یہ رنگ

---

[1] (اکسیر اعظم مع مجیر معظم مترجم، ص115 مفہوماً)

[2] (اکسیر اعظم مع مجیر معظم مترجم، ص115)

ہے نہ ہی یہ طریقہ ہے، لیکن آپ آلِ رسول ﷺ ہیں، آپ کی عرض نہیں بلکہ آپ کا حکم ہے"۔ یہ فرما کر آپ علیہ الرحمہ نے اسی وقت اسی مجلس میں فی البدیہ یہ نعتِ پاک قلمبند فرمائی جو آج تک چار مختلف زبانوں میں ہونے کے باوجود بچے بچے کو بھی یاد ہے۔ اس کلام کا مطلع یہ ہے:

"لَمْ یَاْتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ　　　مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو　　　ہے تجھ کو شہِ دوسَرا جانا"

جبکہ مقطع (آخری شعر) میں نعت لکھنے کا سبب بننے والے دونوں حضرات یعنی ارشاد اور ناطق کا بھی ذکر فرمادیا:

"بس خامۂ خامِ نوائے رضا　　　نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مِرا
ارشادِ اَحِبّا ناطِق تھا　　　ناچار اس راہ پڑا جانا"[1]

اسی طرح حدائقِ بخشش میں موجود قصیدہ معراج بھی اپنی مثال آپ ہے

اس کے متعلق حضرت محدثِ اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھوی اشرفی الجیلانی نے ایک شاندار واقعہ بیان فرمایا، آپ فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ لکھنؤ کے ادیبوں کی ایک شاندار محفل میں اعلٰی حضرت کا قصیدہ معراجیہ میں نے اپنے انداز میں پڑھ کر سنایا تو سب جھومنے لگے میں نے اعلان کیا کہ تنقیدی نقطۂ نظر سے میں ادیبوں کا فیصلہ اس قصیدے کی زبان کے متعلق چاہتا ہوں، تو سب نے کہا کہ اس کی زبان تو کوثر کی دُھلی ہوئی ہے۔ اور اسی قسم کا ایک واقعہ دہلی میں پیش آیا تو سر آمد شعراءِ دہلی نے جواب دیا کہ ہم سے کچھ نہ پوچھیے بس آپ عمر بھر پڑھتے رہیے ہم عمر بھر سنتے رہیں گے"۔[2]

حدائقِ بخشش کے بارے میں علماء کے اقوال:

علی حضرت علیہ الرحمہ کا نعتیہ دیوان "حدائق بخشش بین المسلمین نہایت مشہور ہے بالخصوص پاک وہند میں اور عشق مصطفی کے فروغ کا سبب ہے.

"حدائق بخشش" کے بارے میں علمائے کرام کے چند اقوال ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱) مفتی فیض احمد اویسی صاحب رحمتہ اللہ تعالی علیہ :

"آپ کا مجموعہ نعت "حدائق بخشش" نہ صرف عشق حبیب کی شعری تصویر ہے بلکہ نعت حبیب کا وہ مشرق ہے جس سے آفتاب عرب (حضرت محمد) کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں جو آنکھوں کے راستے دل میں اتر کر کائنات حیات کو منور کر دیتی

[1] (تجلیاتِ امام احمد رضا، ص 93 ملخصًا)

[2] (فیضانِ اعلی حضرت، مطبوعہ شبیر برادرز، ص۵۳۸)

ہیں۔ سوز و درد اور جذب واثر نے الفاظ کو گویا زبان دے دی ہے اور وہ کوئے حبیب کی حدیث عشق سنا رہے ہیں۔ یہ خصوصیت یہ انداز بیان، یہ سلیقہ نعت آپ کے علاوہ اور کسی کے یہاں نظر نہیں آتا۔ آپ نے الفاظ میں عشق حبیب کا وہ طلسم پھونک دیا ہے کہ مفاہیم کی پرت پرت کھولتے چلے جایئے مگر شاعر کے جذبے کی گہرائی ہاتھ نہیں آنے پاتی"

۲) امام بدر الدین احمد قادری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ:

"آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ کا نعتیہ دیوان 'حدائق بخشش' حمد و نعت، دعاو التجا، عشق و محبت، حقیقت و معرفت، معجزات و کرامات، شرح آیات واحادیث وغیرہ مضامین کا ایک ایسا بحر ذخار ہے جس کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ کرنا اہل بصیرت حضرات ہی کا کام ہے۔ جس طرح آپ امامِ اہلسنت ہیں اسی طرح آپ کا کلام بھی کلام و سخن کا امام ہے چنانچہ آپ کے دیوان حدائق بخشش پر' كَلَامُ الإِمَامِ إِمَامُ الكَلَامِ 'کا مقولہ حرف بحرف صادق آتا ہے اور کیوں نہ صادق آئے کہ حدائق بخش، حسان العصر، خسر و اقلیم سخن، شہنشاہ نعت گویاں، اعلی حضرت عبد المصطفے احمد رضا (علیہ الرحمتہ) کے عشق بھرے دل کی آواز اور مداحان رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے شمع ہدایت ہے"

۳) علامہ شمس الحسن شمس بریلوی:

علامہ شمس الحسن شمس بریلوی نے جب "حدائق بخشش" کا تحقیقی اور ادبی جائزہ لیا تو اپنا منصفانہ فیصلہ یوں سنایا۔ "میں آپ کے سامنے "حدائق بخشش" کا ادبی اور تحقیقی جائزہ پیش کر رہا ہوں آپ یقین فرمائے کہ میں نے عقیدت و ارادت کو اس راہ میں حائل نہیں ہونے دیا ہے اور میرے قلم نے عقیدت کے سامنے سر نہیں جھکایا ہے یہ دوسری بات ہے کہ امام اہل سنت (علیہ الرحمتہ) کی ذات گرامی اور آپ کا علوِ مرتبت آپ کا تبحرِ علمی اور آپ کی بیگانہ روز گار ہستی کا فاضلانہ وقار قدم قدم پر عنان گیر رہا لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کے محبوب ذیشان ﷺ کی نگاہِ التفات میرے شامل حال رہی اور میں نے حضرت رضا قدس سرہ کی شاعری کا ہر ہر نوع اور ہر ایک پہلو سے جائزہ لیا۔ میری فکر رسا نے ہر چند تفحص و تلاش میں کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ لیکن میں کیا کروں کہ اس وحید عصر اور یگانہ روز گار کی بے مثال نعتیہ شاعری میں باعتبار زبان و بیان مجھے کہیں کوئی سقم نظر نہیں آیا۔ اور مجھے کہیں یہ کہنے کا موقع نہیں ملا کہ فنِ شاعری کے اعتبار سے حضرت رضا قدس سرہ کے کلام میں یہ خامی موجود ہے۔

۴) ڈاکٹر سرور اکبر آبادی ایم۔اے پی ایچ ڈی یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

"'حدائقِ بخشش' میں ایسی بے شمار نعتیں ہیں جن کی سادگی و برجستگی اور فصاحت و بلاغت کی مثالیں دوسرے شعرا کے ہاں نہیں ملتیں۔ جیسی جیسی نئی و نادر تشبیہات، جیسے جیسے عجیب و غریب استعارات، جیسے جیسے رموز و علائم اور جو جو صنائع بدائع آپ نے استعمال کیے ہیں وہ دوسروں کے ہاں کم ہی نظر آتے ہیں"۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم:

اعلیٰ حضرت کے منجھلے بھائی استاذِ زمن حضرتِ علامہ حسن رضا خان صاحب "حسن" بریلوی فنِّ شاعری میں حضرتِ داغ دہلوی کے شاگرد تھے، استاذِ زمن کی جب چند نعتیں جمع ہو جاتی تھیں تو اپنے صاحبزادے حضرت مولانا حسنین رضا خان کے بدست اپنے استاد حضرتِ داغ دہلوی کے پاس اصلاح کے لیے روانہ فرماتے تھے۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ استاذِ زمن کا کچھ کلام لیکر مولانا حسنین رضا خان صاحب دہلی جا رہے تھے، اعلیٰ حضرت نے دریافت فرمایا کہ کہاں جانا ہو رہا ہے مولانا حسنین رضا خان نے عرض کیا والد صاحب کا کلام لیکر استاد داغ دہلوی کے پاس جا رہا ہوں۔ اعلیٰ حضرت اُس وقت وہ نعتِ پاک قلمبند فرما رہے تھے جس کا مطلع ہے:

اُن کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں

جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

ابھی مقطع نہیں لکھا تھا، فرمایا "لیجئے! چند اشعار ہو گئے ہیں، ابھی مقطع نہیں لکھا ہے، اس کو بھی دکھا لیجئے گا"۔

چنانچہ مولانا حسنین رضا خان صاحب دہلی پہنچے اور استاذ الشعراء حضرتِ داغ دہلوی سے ملاقات کی، اپنے والدِ ماجد استاذِ زمن کا کلام پیش کیا۔ حضرتِ داغ دہلوی نے اِس کی اصلاح کی، جب اصلاح فرما چکے تو مولانا حسنین میاں صاحب نے اعلیٰ حضرت کا وہ کلام بھی پیش کیا اور کہا یہ کلام چچا جان اعلیٰ حضرت نے چلتے وقت دیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہ بھی دکھاتے لایئے گا۔

حضرتِ داغ نے اس کو ملاحظہ فرمایا، مولانا حسنین میاں صاحب فرماتے ہیں: حضرتِ داغ اُس وقت نعتِ پاک کو گنگنا رہے تھے اور جھوم رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے، پڑھنے کے بعد حضرتِ داغ دہلوی نے فرمایا "اِس نعتِ پاک میں تو کوئی ایسا حرف بھی مجھے نظر نہیں آتا جس میں کچھ قلم لگا سکوں، اور یہ کلام تو خود لکھا ہوا معلوم ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ کلام تو لکھوایا گیا ہے، میں اس کلام کی فن کے اعتبار سے کیا کیا خوبیاں بیان کروں بس میری زبان پر تو یہ آ رہا ہے کہ:

"ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم

جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں"

اور فرمایا "اس میں مقطع تھا بھی نہیں، لیجئے مقطع بھی ہو گیا"، نیز اعلیٰ حضرت کو ایک خط لکھا کہ اس نعتِ پاک کو اپنے دیوان میں اس مقطع کے ساتھ شامل کریں اس مقطع کو علیحدہ نہ کریں نہ دوسرا مقطع کہیں۔ [1]

---

[1] (تجلیات امام احمد رضا، مطبوعہ مکتبہ برکاتی پبلیشرز کراچی ص90)

فصلِ ثانی:

شرحِ حدائقِ بخشش کا تعارف اور منہج و اسلوب:

شرح حدائقِ بخشش کا تعارف:

حضور فیضِ ملت مفسرِ اعظم قدس سرہٗ نے امت مسلمہ کی رہبری و رہنمائی کے لئے جہاں ہزاروں رسائل اور بیش بہا کتب تصنیف و تالیف فرمائیں وہاں آپ نے اہلسنت کے جلیل القدر امام مجدد مائتہ حاضرہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے بہت ضخیم کتب و رسائل تحریر فرمائے ہیں۔

ان میں اِمَامُ الکَلَامِ کَلَامُ الاِمَامِ امام اہلِ سنّت کے عشقِ رسول ﷺ میں لفظ بلفظ ڈوبا ہوا نعتیہ دیوانِ "حدائقِ بخشش" کی شرح بنام "**الحقائق فی الحدائق**" معروف شرح حدائق بخشش ۲۵ مجلدات میں نہایت شہرۂ آفاق ہے۔

شرح حدائق بخشش کی کہانی ان کے اپنے قلم سے شرح حدئق کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں "فقیر اویسی نے جب سے ہوش سنبھالا تو امام احمد رضا قدس سرہٗ کا تعارف "دیوان حدائق بخشش" کے نام سے ہوا، جوں جوں زندگی کی منزلیں طے ہوتی رہیں ان سے عقیدت و محبت میں اضافہ ہوتا رہا۔[1]

حقیقت ہے کہ امام احمد رضا کی عظیم عبقری شخصیت آج کسی تعارف کی محتاج نہیں رہی، بریلی شریف کی سرزمین سے طلوع ہونے والے آفتاب و مہتاب کی علمی شعاعوں سے پوری دنیائے اسلام میں روشنی ہو رہی ہے یہی وجہ ہے یہ ہستی اہلِ اسلام کے دلوں کی دھڑکن بن چکی ہے۔ امام احمد رضا کو خالقِ کائنات نے بے شمار اوصاف و کمالات سے مالا مال فرمایا تھا جس کا اندازہ امام موصوف کی حیات و کارناموں کے مطالعہ سے بخوبی ہو جائے گا لیکن آپ کے تمام اوصاف میں نمایاں سب سے زیادہ اور نرالا وصف عشقِ رسولِ کریم ﷺ ہے جو آپ کے رگ و پے میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جس کو آپ نے اپنی متاع زیست قرار دیا۔ فرماتے ہیں :

"اللہ کی سر تابقدم شان ہیں یہ اِن سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ"

اسی عشق رسول میں شفتگی و فریفتگی نے جہاں سنیت میں آپ کو امام عشق و محبت کا عمدہ لقب دیا، محبت و عشق رسول ﷺ میں آپ اتنے ڈوبے ہوئے تھے کہ آپ کی ہر ادا میں سنت نبوی کے جذبے نظر آتے، اسی عشقِ رسول اور وارفتگی مصطفی ﷺ

---

[1] (الحقائق فی الحدائق، مفتی فیض احمد اویسی، جلد ۱، ص ۱۶)

کو آپ نے اپنی شاعری میں پیش کیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے ڈاکٹر محمد اقبال کے لیے کہا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے دل قرآن کی طرف پھیر دیئے لیکن مولانا احمد رضا کا اعجاز شاعری یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے دل صاحبِ قرآن کی طرف پھیر دیئے۔ نعتیہ شاعری کا کمال یہ ہے اس سے شاعر کے کمالِ فن کا نہیں کمالِ عشق کا سکہ دل پر بیٹھ جائے۔

حدائق بخشش امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر مشتمل دو جلدوں میں ہندوپاک سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے جس کے متعلق علامہ محمد منشاء تابش قصوری نے بڑی عمدہ بات کہی ہے کہ "قصیدہ بردہ شریف کے بعد اردو زبان میں اگر نعتیہ کتاب کو مقبولیتِ آفاقی کا شرف ملا تو امام اہلسنت مجدد دین وملت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عدیم المثال دیوان 'حدائق بخشش' کو حاصل ہوا جس کا ایک ایک شعر قرآن وحدیث کا ترجمان اور تفسیر معلوم ہوتا ہے ہر نعت ہر قصیدہ ایک خاص لذت اور عجیب کیف وسرور رکھتا ہے ایک صدی سے برِ اعظم ایشیاء کے مسلمانوں کے ایمان وایقان میں حدائق بخشش اضافہ کا باعث بن چکا ہے۔

امام احمد رضا کا کلام ایسے اشعار نہیں جن کو ہر ایک سمجھ سکے بلکہ ان کے کلام میں قرآن وحدیث کی ایسی ترجمانی کی گئی ہے کہ ان کو بلند فہم اور عربی ' فارسی اور اردو زبان میں دسترس رکھنے والا عالم ہی سمجھ سکتا ہے جس کے ایک ایک شعر محبت خدا اور سول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) میں مستغرق ہو کر پڑھنے کے قابل ہے اس لیے عرصہ دراز سے یہ ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ کوئی فاضل اس اہم نعتیہ دیوان کی صحیح تشریح وتوضیح کر دے تاکہ ہر عام وخاص ان اشعار کو سمجھ کر مستفیض ومستفید ہو سکے۔ حالانکہ اس سے قبل چند حضرات نے حدائق بخشش کے منتخب اشعار کی اجمالی شرح لکھی تھی لیکن پورے دیوان رضا کی مفصل اور مکمل توضیح وتشریح کرنے والی ذات کا نام ہے "فیض رضا حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی مدظلہٗ العالی (بہاولپوری)" جنھوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور پچیس جلدوں میں ہزاروں صفحات پر پھیلا کر فروغ افکار رضا کا ایک جدید باب کا اضافہ کیا ہے۔

ماہرِ رضویات حضرت علامہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں؛ علامہ (فیض احمد) اویسی صاحب نے جامعہ رضویہ فیصل آباد میں قیام (۱۹۵۲ء) کے دوران شرح کا آغاز کیا پھر وہ لکھتے رہے یہاں تک کے پانچ ضخیم مجلدات تیار ہو گئیں جس کا پہلا جلد شائع کیا جا رہا ہے یہ ایک فکری اور علمی شرح ہے جس کا مقصد مسلک اہلسنت کا تحفظ ہے۔ امام احمد رضا نے قرآن وحدیث اور اقوال سلف کی روشنی میں عقائد اہلسنت کو اپنے اشعار میں سمویا ہے حضرت علامہ اویسی صاحب نے ان کو شرح وبسط سے بیان فرمایا ہے شرح میں پہلے حلِ لغات ہے پھر فائدہ اس کے بعد شرح خلاصہ اور واقعات وغیرہ کی تفصیل۔[1]

[1](شرح حدائق بخشش، جلد اول تقدیم ص ۱۲)

حدائق بخشش کی شرح کیوں کی؟ حدائق بخشش کی شرح کا آغاز اور وجہ شرح:

خود شارح موصوف کی زبانی ملاحظہ کریں لکھتے ہیں؛

"دوران تصانیف ایک دن خیال آیا کہ حدائق بخشش کی شرح بھی لکھ ڈالو اس میں عشق رسول ﷺ کا سمندر موجزن ہے فقیر کو اس سے ایک بوند نصیب ہو جائے اس کا آغاز تو کر دیا لیکن "قلمے دارم در ہے نہ دارم" کا بندنہ ٹوٹ سکا لیکن ہمت نہ ہاری اس پر لکھتا ہی رہا بالآخر پانچ مجلدات معرض وجود میں آئے اور شرح میں صرف ایک پہلو سامنے رکھا یعنی امام احمد رضا خاں کا کلام قرآن وحدیث اور اسلاف کے عقائد کا ترجمان ہے اگر ہر پہلو پر گفتگو ہو تو اس کے کئی ضخیم مجلدات تیار ہوں لیکن چونکہ مجھے صرف اور صرف مسلک حق اہلسنت کا تحفظ مد نظر ہے اس لیے امام احمد رضا قدس سرہٗ کے اشعار کی شرح قرآن وحدیث اور عبارات اسلاف سے عرض کروں گا"[1]

علامہ اویسی صاحب نے جس عرق ریزی اور مسلسل تگ ودو کے ساتھ اس اہم کار خیر کو انجام دیا یہ ان کا حصہ ہے کلام رضا کی شرح میں آپ نے علم کے دریا بہادیئے ہیں ایک ایک شعر کی شرح میں بسا اوقات ۸'۔۸'۔۱۰'۔۱۰'صفحات پر پھیلا دی ہے جس کو دیکھ کر جہاں امام احمد رضا کے عشق رسول ﷺ میں مستغرق ہونے کا پتہ چلتا ہے وہیں شارح موصوف کی علمی جلالت اور دینی بصیرت وبصارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے حلقہ علم وادب اور ارباب فکر و نظر کے درمیان زبان وادب کی چاشنی لئے ہوئے ہے۔[2]

حضرت علامہ محمد سراج الدین شریفی مغل پوری سہسرام، بہار (انڈیا) اپنے مقالہ میں شرح حدائق بخشش" کے متعلق یوں رقمطراز ہیں ؛

"حدائق بخشش" کی اردو شرح ہے جو پچیس مجلدات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور ہر جلد پانچ سو صفحات سے زائد کی ہے۔ خوش قسمتی ہے آج یہ قیمتی شاہکار نقوش طباعت کے مراحل سے گزر کر مقبول عام وخاص ہو چکے ہیں۔[3]

---

[1] (شرح حدائق بخشش جلد اول ص ۱۵)

[2] (مقالہ نعیم احمد جسولی انڈیا)

[3] (فیض عالم ماہنامہ بہاولپور)

الحقائق فی الحدائق (شرح حدائقِ بخشش) کا منہج و اسلوب:

علامہ فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کا اندازِ تصنیف آپ علیہ الرحمہ کے اندازِ تدریس کی طرح نہایت سہل اور تسلی بخش تھا۔ آپ علیہ الرحمہ کی مشہور و معروف شرحِ حدائقِ بخشش جس کا نام "**الحقائق فی الحدائق**" ہے، اس میں بھی انتہائی سہل اور خوبصورت انداز اپنایا جس سے پڑھنے والے حضرات سیدی وسندی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے لکھے ہوئے اشعار کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں اور اعلیٰ حضرت نے وہ شعر جس پسِ منظر اور جس پیرائے میں قلمبند فرمایا اُسے بھی جان لیتے ہیں۔

ویسے تو کئی علماء نے اعلیٰ حضرت کی حدائقِ بخشش کی شرح لکھی ہے، اور بہت خوب بھی لکھی ہے، مگر فیضِ ملت علیہ الرحمہ کی "**الحقائق فی الحدائق**" ان سب میں نمایاں اور بالاتر نظر آتی ہے۔

قبلہ فیضِ ملت علیہ الرحمہ نے اس نایاب اور مقبولِ عام شرح میں سب سے پہلے جو کچھ ضروریاتِ تصنیف ہوتی ہیں انہیں تحریر فرمایا ہے جیسا کہ حمد وصلاۃ، خطبہ، مقدمہ، وجہِ تحریر وغیرہ۔ اور کیوں کہ یہ شرح ہے تو آپ نے صاحب حدائقِ بخشش یعنی سیدی اعلیٰ حضرت کے متعلق بھی کچھ تعارف تحریر فرمایا تاکہ پڑھنے والے لوگ اُن کی ذاتِ بابرکات سے بھی آشنا ہو جائیں۔

علامہ اویسی کی اس شرح کے انداز اور منہج و اسلوب کو سمجھنے کی لئے آپ کی شرح کی چند جھلکیاں پیشِ خدمت ہیں:

کسی بھی شعر کی شرح کرتے وقت سب سے پہلے آپ علیہ الرحمہ اُس شعر کو تحریر فرماتے ہیں اور پھر اس میں موجود مشکل الفاظ (جن کو عوام الناس کے لئے سمجھنا قدرِ دشوار ہوتا ہے) 'حلِّ لغات' کے تحت اُن کی وضاحت فرماتے ہیں۔ پھر اس کی 'شرح' فرماتے ہیں اور اسکے بعد 'فائدہ' اور 'خلاصہ شعر'۔

مثلاً آپ اعلیٰ حضرت کے دیوان کے پہلے شعر کی شرح لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

شعر:

(ا) واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا

آغاز بخیر:

امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیوان مبارک کا آغاز حبیب کبریا ﷺ کے جود و کرم کے وصف سے شروع ہو رہا ہے غور سے دیکھا جائے تو یہی وصف جامع جمیع الاوصاف ہے اس لئے عرض کی واہ کیا جود و کرم الخ۔

حل لغات:

(واہ) کلمہ تحسین، کیا بات ہے، کیا کہنا۔ یہاں ان تینوں میں کوئی ایک مراد ہے۔ یہ تعجب اور تحقیر وطنز کا کلمہ ہے اور یہاں تعجب (برائے اظہارِ شان) مطلوب ہے۔ ("شہ "فارسی) یہ لفظ شاہ کا مخفف ہے بادشاہ، فرمانروا یہ مضاف ہے اور بطحا کا لفظ مضاف الیہ ہے لفظ شاہ کی مزید تحقیق و تفصیل فقیر کی کتاب 'فیضِ یزداں شرح گلستاں' میں دیکھئے۔ بطحا، بالفتح وحاء مھملہ وادیٔ مکہ معظمہ از بطحا مکہ معظمہ مراد باشد۔ یہاں یہی مراد ہے اس لئے کہ آپ ہی دیارِ عرب کے مرکز کے حقیقی بادشاہ ہیں اور اصل لغت کشادہ زمین کہ گذرگاہ آب سیل باشد۔ سنگریزہ بابسیار باشد۔ (غیاث)

شرح:

اہل ادب و محققین شعراء کہتے ہیں کہ زبان بیان کی نداءت، فصاحت وبلاغت دروزمرہ کی صفائی اور اثر آفرینی کے اعتبار سے یہ نعت بلند پایہ ہے۔

فائدہ:

محققین شعراء کرام کو معلوم ہو کہ اس نعت شریف میں امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کثرت سے محاورات واستعارات استعمال فرمائے ہیں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک بہت بڑا دفتر تیار ہو سکتا ہے ماہرین فن کو دعوت فکر ہے۔

خلاصہ شعر:

حضور نبی پاک ﷺ کے اس وصف مبارک کا ذکر ہے کہ آپ کی جُود وسخا کا یہ عالم ہے کہ بن مانگے بھکاریوں کو خود بخود مل رہا ہے انہیں سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں یعنی اے حبیب کبریا ﷺ آپ کے جود وعطا کا کیا کہنا آپ اپنے سائل کو اتنا عطا فرماتے ہیں کہ خود اُسے بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اسے کیا اور کتنا ملا ہے اور اسے محسوس تک بھی نہیں ہوتا کہ وہ کیسے ملا اور کس طرح ملا۔ ان عطاؤں کی طرف اشارہ ہے جو صحابہ کرام کو غیر محسوس وغیر مبصر وغیر مشاہدات نصیب ہوئے اور وہ عطیات بھی کسی خاص نعمت سے نہیں ہر طرح کی نعمتیں وعطائیں بخشیں۔[1]

نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

شرح:

پہلا لفظ 'نہیں' لَا کا ترجمہ ہے دوسرا فعلِ مضارع کی نفی کا ہے اور لفظ 'ہی' اردو میں حصر کا فائدہ دے رہا ہے اس سے حضور ﷺ کے جود وسخا کے کمال کا وہ بیان ہے کہ اس کی مثال مخلوق میں محال اور ناممکن ہے کیونکہ جو وصفِ جُود آپ میں محصور ہو گیا وہ دوسروں میں کہاں۔ جیسا کہ اس کی چند مثالیں آگے چل کر عرض کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

جود وکرم میں فرق:

علماء کرام فرماتے ہیں؛

الجود ماکان بغیر سوال والکرم بسوال

جود وہ ہے جو بغیر مانگے عطاء ہو اور کرم وہ ہے جو مانگنے پر ملے۔

حضور نبی پاک ﷺ میں ہر دونوں صفتیں بدرجہ اتم واکمل تھیں جیسا کہ آئیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

---

[1] (الحقائق فی الحدائق (شرح حدائق بخشش) ج:۱، ص:۱۷،۱۶)

قرآن وحدیث:

یہ شعر آیت قرآنی:

﴿وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾

اور منگتا کو نہ جھڑ کو۔[1]

اور بخاری شریف میں ہے سیدنا بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ؛

"اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ اَجْوَدَ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسِلَةِ وَمَارَأَى سَائِلاً قطاً وَمَاسُئِلَ عَنْ شَيْءٍ فَقَالَ لَا"

"نبی پاک ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ جُود و سخا والے تھے آپ کی بخشش تیز آندھی سے زیادہ رواں دواں تھی آپ نے کبھی کسی سائل کو نہیں نہیں فرمایا جب بھی آپ سے کوئی سوال ہوا تو آپ نے 'نہیں' فرمایا ایسا کبھی نہ ہوا۔

غرضیکہ ہر منگتا منہ مانگی مراد پاتا کوئی بھی آپ کے در اقدس سے محروم نہ جاتا۔

خلاصہ:

جُودِ حقیقی یہ ہے کہ بغیر غرض و عوض کے ہو اور یہ صفت حق سبحانہ کی ہے کہ جس نے بغیر کسی غرض و عوض کے تمام ظاہری و باطنی نعمتیں اور تمام حسی کمالات خلائق پر افاضہ کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اَجوَدُ الاَجوَدِین اس کے حبیب پاک ﷺ ہیں کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں اسی لئے آپ سے کبھی کسی چیز کا سوال کیا گیا اس کے مقابل آپ نے لا (نہیں) نہ فرمایا، یعنی آپ کسی کے سوال کو رد نہیں فرماتے۔ اگر موجود ہوتا تو عطا فرماتے اور اگر پاس نہ ہوتا تو قرض لے کر دیتے یا وعدہ عطا فرماتے۔[2]

دیکھا جاسکتا ہے کہ قبلہ فیضِ ملت کو فنِّ شرح میں بھی یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ اعلی حضرت کے نعتیہ دیوان کے پہلے شعر کی شرح میں ہی تقریبًا آپ علیہ الرحمہ نے ۱۲ سے ۱۳ صفحات لکھ ڈالے، جن میں اس شعر کی حلِ لغت، شرح، فوائد، خلاصہ، قرآن و حدیث سے موافقت، اور واقعات بھی ذکر کئے ہیں۔ آپ علیہ الرحمہ کی اس شعر کی شرح کے تاثرات لکھتے ہوئے علامہ سید وجاہت رسول شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ؛

" حدائق بخشش کے اس پہلے شعر کی شرح کے نمونہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ اویسی نے شعر کی شرح کے تمام لوازمات کو مد نظر رکھا ہے مشکل الفاظ کے لئے حل لغات کا خاص اہتمام کیا ہے، محاورات اور استعارات کی نشاندہی کی گئی ہے

---

[1](سورہ والضحیٰ:۱۰)

[2](الحقائق فی الحدائق (شرح حدائق بخشش) ج:۱، ص:۱۸)

جہاں ضرورت محسوس کی ہے وہاں فوائد بھی بیان کئے گئے ہیں اور قرآنی احادیث واشاروں کی شرح وبسط کے ساتھ تشریح کی گئی۔ اس کے علاوہ قرآنی آیات واحادیث و آثار کے پس منظر میں جو واقعات واحوال پوشیدہ ہیں ان کو قاری کے افادہ کے لئے کھول کر بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی بر آمدہ شدت نکات پر غور و فکر کی دعوت بھی دی گئی ہے۔ احقر کے ناچیز خیال میں اگر اس شرح کی ایڈیٹنگ، پیرا گرافنگ جدید نہج پر کی جائے تو اس شرح کی ملکی اور غیر ملکی محققین اور جامعات کے اساتذہ طلباء کے لئے مزید بڑھ جائے گی"۔[1]

قبلہ فیض ملت علامہ فیض احمد اویسی صاحب علیہ الرحمہ کی شرح کے منہج واسلوب کو مزید سمجھنے کے لئے اعلی حضرت کے ایک اور کلام کے مطلع اور مقطع کی شرح پیشِ خدمت ہے:

"سنتے ہیں کہ محشر میں صرف اُن کی رسائی ہے
گر ان کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے"

حل لغات:

رسائی، شناسائی، گزر میل ملاپ، واقفیت بن آئی قسمت کھل گیا۔

شرح:

سنتے ہیں کہ میدان حشر میں صرف حضور اکرم ﷺ کی تمام مخلوق سے زیادہ پہنچ ہے (قبولیت) ہے۔ اگر ان کی رسائی ہے تو پھر مبارک ہو کہ ہم غریبوں کی قسمت کھل گئی اس لئے کہ آپ رؤف ورحیم ہیں (ﷺ) ہمارا دکھ تکلیف کب دیکھ سکیں گے۔ اس لئے لامحالہ بخشش و مغفرت کریں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾[2]

جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔

فائدہ:

سب کو معلوم ہے کہ لوگ اپنی اولاد اور اپنی خیر کے حریص ہوتے ہیں لیکن حضور اکرم ﷺ اپنی امت کی خیر کے حریص ہیں اس لئے راتوں کو سب لوگ سوتے ہیں لیکن آپ امت کے لئے روتے ہیں۔[3]

---

[1](تاثرات سید وجاہت رسول شاہ صاحب، الحقائق فی الحدائق، ج:۱، ص:۲۶۵)

[2](پارہ ۱۱ سورۃ التوبۃ، آیت ۱۲۸)

[3](شرح حدائقِ بخشش، ج:۸، ص۳۸)

ان کی رسائی:

حضور اکرم ﷺ کی رسائی کا احادیث شفاعت میں تفصیلی مضمون اسی شرح حدائق میں فقیر نے متعدد مقامات پر سپرد قلم کیا ہے۔ تبرّکا چند احادیث ملاحظہ ہوں (۱) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اشفع لامتی حتی ربی ارضیت یا محمد فاقول لي رب رضیت"[1]

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"خیرت بین الشفاعة وبین ان یدخل شطر امتی الجنة فاخترت الشفاعة لانها اعم وا کفی اترونها للمومنین المتقین لا ولکنها للمذنبین الخطائین"[2]

اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ یا تو شفاعت لو یا یہ کہ تمہاری آدھی امت جنت میں جائے میں نے شفاعت لی کہ زیادہ تمام اور زیادہ کام آنے والی ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میری شفاعت پاکیزہ مسلمانوں کے لئے ہے نہیں بلکہ وہ ان گناہگاروں کے واسطے ہے جو گناہوں میں آلودہ اور سخت کار ہیں۔

ابن عدی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

"شفاعتي للهالکین من امتی

میری شفاعت میرے ان امتیوں کے لئے ہے جن کو گناہوں نے ہلاک کر ڈالا۔

"مطلع میں یہ شک کیا تھا واللہ رضا واللہ

صرف ان کی رسائی ہے صرف ان کی رسائی ہے"

حل لغات:

مطلع، از طلوع سورج نکلنے کی جگہ پورب، غزل یا قصیدے کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں۔

شرح:

اس غزل کے شروع میں جو کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی رسائی ہے۔ اے رضا (امام احمد رضا قدس سرہ) بخدا (خدا کی قسم) ہمیں اس عقیدہ میں ذرہ بھر بھی شک نہ تھا اور نہ ہے اور نہ ہو گا۔[3]

---

[1] (الدر المنثور للسیوطی جلد ۶ صفحہ ۳۶)

[2] (ابن ماجہ)

[3] (شرح حدائقِ بخشش، ج:۸، ص۳۹)

فصلِ ثالث:

حدائقِ بخشش کی دیگر شروحات کا مختصر تعارف:

سیدی وسندی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کی نعتیہ دیوان '**حدائقِ بخشش**' کی کئی شروحات علماء نے لکھی ہیں اور لکھتے بھی رہیں گے۔ کسی نے قرآن وحدیث سے حدائقِ بخشش کی موافقت کے اعتبار سے شرح لکھی، تو کسی نے تلمیحاتِ قرآنیہ وحدیث شریف کے اعتبار سے لکھی۔ الغرض اعلیٰ حضرت کی اس مقبولِ عام نعتیہ دیوان کی ہر دور میں کوئی نہ کوئی شرح ضرور لکھی گئی۔ ان میں سے چند شروحات کا ذکر اس فصل میں پیشِ خدمت ہے:

۱) شرح کلام رضافی نعت المصطفٰی المعروف شرح حدائقِ بخشش:

یہ شرح حضرت علامہ مولانا مفتی غلام حسن قادری صاحب کی اور کم وبیش ۱۰۰۰ اصفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ ان کے بارے میں مولانا منشا تابش قصوری علیہ الرحمہ اپنی کتاب 'نشانِ منزل' میں لکھتے ہیں کہ؛

میری زندگی کا ربع صدی سے زائد عرصہ حضرت داتا گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا، رحمہ اللہ تعالیٰ کے سایہ عاطفت میں گزر رہا ہے یومیہ مرید کے سے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، تدریسی فرائض کی انجام دہی کے لئے اسی بابرکت راستہ سے آنا جانا ہوتا ہے مزار پر انوار کی زیارت سے شاد کام ہونے کے ساتھ ساتھ سلام پیش کرنے کی سعادت عظمٰی بھی نصیب ہوتی ہے۔ آپ کے دربار فیض بار کے بالکل قریب ہی لاہور کا مشہور دروازہ "بھاٹی" ہے۔ اس کے ساتھ ہی پولیس اسٹیشن سٹریٹ سے جامعہ نظامیہ رضویہ میں جانا میرا معمول ہے۔ بڑی سڑک کی بجائے بھاٹی اور لوہاری دروازوں کے مابین چھوٹی چھوٹی قدیم گلیوں کو راقم امن کے راستے قرار دیتا ہے کیونکہ یہاں اختلاط مردوزن نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی پر امن سٹریٹ کے عین درمیان میں ملت اسلامیہ کی ایک نامور علمی شخصیت حضرت مولانا علامہ اصغر علی روحی صاحب مرحوم پروفیسر اورنٹیل کالج و یکے از بانیان جامعہ نعمانیہ لاہور کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب جامع مسجد مولانا روحی (اہل سنت وجماعت) ہے۔ اس محلہ کے باسیوں میں پروفیسر صاحب مرحوم بھی تھے آج کل اس مسجد کی امامت وخطابت کے فرائض، ممدوح اکابر، خطیب العصر، محترم المقام حضرت العلام مولانا الحافظ القاری مفتی غلام حسن صاحب قادری دامت برکاتہم باحسن وجوہ سرانجام دے رہے ہیں۔

حضرت الموصوف اور راقم الحروف کا مشن اور راستہ ایک ہی ہے بناءعلیہ گاہے گاہے سرراہ علیک سلیک ہوتی رہی ایک عرصہ یوں ہی بیت گیا، سلام ودعا کے علاوہ بات آگے نہ بڑھی۔ تاہم موصوف کے خصائل جمیلہ وشمائل جلیلہ نے مجھے ہر ملاقات پر خاصا متاثر کیا، ان کے باطنی اوصاف ان کے ظاہری حسن وجمال پر نمایاں دکھائی دیئے، ان کی عاجزی اور انکساری کی تو بات ہی کیا، کئی بار سوچا وقت میسر ہو تا کہ کھل کر تعارف کیا جائے۔ حسنِ اتفاق، قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی اشرفی علیہ الرحمۃ خلیفہ اعظم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا فاضل بریلی علیہ الرحمۃ کے عطا فرمودہ درود شریف

کی کتابت نے یہ خواہش بآسانی پوری کر دی، یوں آپ سے ربط و تعلق نے استحکام پایا۔ رفتہ رفتہ ذہنی خلا دور ہوتا چلا گیا اور پھر منزل قرب نے یہاں تک پہنچایا کہ اب شارح حدائق بخشش "حضرت مولانا علامہ مفتی غلام حسن قادری مدظلہ کے احوال و آثار لکھنے پر روحانی سکون محسوس کر رہا ہوں۔

خیال رہے کہ مجھے کثیر اہل علم و قلم پر لکھنے کی سعادت حاصل ہے جو ہر شعبہ علم و ادب سے تعلق رکھتے ہیں، بر صغیر پاک و ہند کی شخصیات پر بھی لکھا اور ان کی تصانیف و تراجم پر بھی اسلاف کے کارناموں کو بھی اجاگر کیا اور اخلاف کی خدمات کو بھی خراج تحسین پیش کیا، جہاں اساتذہ کرام کی خدمت میں نذرانہ قلم ادا کیا وہاں تلامذہ کی بھی حوصلہ افزائی میں کسر نہ چھوڑی ،یہی وجہ ہے کہ میرے متعدد تلامذہ مقالات و مضامین میں ہی نہیں بلکہ تصانیف و تراجم میں بھی نام پیدا کر رہے ہیں (الحمد اللہ علی مَنِّہٖ و کرمہ تعالٰی)

حضرت علامہ الحافظ القاری مفتی غلام حسن صاحب قادری مدظلہ ،تو میرے خاص احباء میں شامل ہیں، وہ میری ہی نہیں ہر چھوٹے، بڑے، اپنے پرائے، لگانے، بیگانے، کی قدر و منزلت کو خوب جانتے پہچانتے ہیں خصوصاً علمائے کرام و مشائخ عظام کے تو دالدادہ ہیں، ان کے ادب و احترام اور عزت و توقیر کو ملحوظ رکھنا فرض قرار دیتے ہیں، موصوف کا باطن ان کے ظاہر کی طرح خوبصورت ہے گویا کہ وہ اگر ظاہری طور پر مسند افتاء و تدریس پر فائز ہیں تو روحانی و باطنی طور پر مسند طریقت کی بھی زینت ہیں حقیقت ہے کہ ان کی علمی عملی زندگی خوب اور محبوب ہے میرا وجدان گواہی دیتا ہے کہ مفتی صاحب مدظلہ کا علم عمل سے اور عمل علم سے عبارت ہے۔ حضرت مولانا علامہ مفتی غلام حسن صاحب قادری مدظلہ فی الحال اپنے آپ کو پردہ اخفا میں رکھنا چاہتے ہیں مگر وہ وقت بہت قریب ہے جب اُنکے علمی و روحانی فیوض و برکات سے لوگ برملا بہرہ مند ہونگے اور اس دور میں ایسے پیکر شرافت کا وجود نعمت سے کم نہیں ہے، کیونکہ عصر حاضر میں بعض علمائے کرام کے اعمال و افعال پر جب عوام انگلیاں اٹھا رہے ہیں تو صاحب کردار عالم دین کا وجود مسعود غنیمت ہے جن کی بارگاہ میں لوگ حاضر ہو کر استفادہ کریں۔ قاری صاحب کے اوصاف حمیدہ و کمالات جمیلہ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے آپ کی حیات حسنہ کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جو از خود آپ کی عظمت و شوکت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ولادت باسعادت:

حضرت مولانا علامہ مفتی غلام حسن صاحب قادری مدظلہ ایک مذہبی، دینی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ حافظ آباد کے ایک مشہور گاؤں چک کھرل میں 13 اکتوبر 1962ء کو میاں محمد حسین بھٹی ابن میاں علی محمد بھٹی علیہ الرحمتہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ اپنی والدہ ماجدہ رحمھا اللہ تعالٰی سے قرآن کریم ناظرہ پڑھا، موصوفہ مرحومہ سے گاؤں کے علاوہ اکناف و اطراف کے متعدد دیہات کے بچوں نے قرآن کریم پڑھنے کی سعادت حاصل کی آپ کی والدہ ماجدہ علیھا الرحمتہ نے 5 جولائی 2004ء بروز پیر انتقال فرمایا جبکہ آپ کے والد ماجد علیہ الرحمہ تقریباً آٹھ ماہ قبل بتاریخ 7 رمضان المبارک 1424 - 2 نومبر 2003 کو راہی جنت ہوئے۔

درس نظامی:

امام سنت، مفتی اعظم پاکستان حضرت سید ابوالبرکات سید احمد شاہ صاحب قادری اشرفی علیہ الرحمۃ ابن شیخ المحدثین حضرت سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ صاحب محدث الوری اشرفی علیہ الرحمۃ بانی مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور کے پہلے عرس مقدس کی تقریب سعید کے موقع پر آپ کے استاد محترم فقیر سلطانی علیہ الرحمہ نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے شارح بخاری علامہ سید محمود احمد صاحب رضوی کے سپرد فرمایا اور سلاطین علوم وفنون سے سات سال تک جواہر علمیہ کو بڑی شان سے وصول کیا اور اسی دار العلوم سے سند فراغت و دستار فضیلت حاصل کی۔

شرف بیعت:

طریقت میں بیعت شرط ہے نیز اکابر اسلام کا معمول چلا آرہا ہے کہ ظاہری علوم وفنون کے ساتھ ساتھ روحانی فیوض وبرکات کے حصول کے لئے صحیح العقیدہ صاحب علم وفضل مرشد سے اس سنت مستمرہ کی بھی تکمیل کی جائے چنانچہ اس مقصد کی باریابی کے لئے آپ نے قطب الوقت حضرت حافظ سلطان غلام باہو (اولاد پاک سلطان العارفین حضرت سلطان باہو) رحمہ اللہ تعالی سے بیعت کا شرف پاکر منازل سلوک طے فرمائیں۔

شرح کلام رضا فی نعت المصطفیٰ ﷺ:

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات مسلمانان عالم کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھی جنہوں نے عشق رسول کریم ﷺ کی اس نہج پر آبیاری فرمائی کہ موجودہ وآئندہ نسلیں عشق ومحبت مصطفی ﷺ سے سرشار ہوتی رہیں گی، خصوصاً آپ کا نعتیہ دیوان 'حدائق بخشش' جو آپ کی طرح بین الاقوامی سطح پر معروف ومشہور ہو چکا ہے،
حضرت علامہ غلام حسن قادری مدظلہ کو اس کی شرح قلم بند کرنے کا شرف نصیب ہو رہا ہے چونکہ آپ کو تدریس کے ساتھ ساتھ تحریر وتقریر کا ملکہ بھی حاصل ہے اس لئے یہ شرح علمی وفنی موشگافیوں کے ساتھ ساتھ عام فہم اور آسان ترین بھی ہے جس سے ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے قارئین پوری طرح استفادہ کرسکتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی حدائق بخشش کی دو تین شرحیں ہو چکی ہیں۔ جو اپنی جگہ مفید ہیں مگر اس شرح کا انداز بڑا ہی نرالا اور انوکھا ہے نہ صرف حدائق بخشش کے اشعار کی نثری شرح کی بلکہ دیگر شعراء کے اشعار کو شامل کر کے نظم سے بھی آراستہ کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔ جو حضرت شارح کے وسیع مطالعہ پر دال ہے۔

اس شرح کے محاسن ومحامد پر تفصیلی لکھا جاسکتا ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ قارئین میرے کلمات کی بجائے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے کلام سے خط وافر اٹھانے کے ساتھ ساتھ شرح کی خوبیوں سے اپنے دامن عشق کو بھرپور کریں لہٰذا راقم الحروف حضرت شارح صاحب مدظلہ کی خدمت میں ہدیہ تحسین وتبریک پیش کرتے ہوئے دعاگو ہے کہ مولیٰ کریم ﷺ اس مبارک شرح کو حدائق بخشش کی طرح قبولیت ومحبوبیت کا شرف عطا فرمائے اور شارح موصوف کے قلم کو مزید انوار وتجلیات عشقیہ سے بار آور فرمائے۔ امین ثم امین۔

بجاہ طٰہٰ ویٰس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم طالب دعا: محمد منشا تابش قصوری خطیب مریدکے مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور (پاکستان) ۲۸ جمادی الاخری ۱۴۲۷ھ / 25 جولائی 2006ء دوشنبہ

۲)شرح کلامِ اعلیٰ حضرت المسمّٰی بہ 'عرفانِ رضا در مدحِ مصطفیٰ':

یہ شرح علامہ عبد الستار ہمدانی صاحب نے لکھی ہے، اور کمال انداز سے لکھی ہے۔ آپ خود اپنی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ؛

"امام عشق و محبت، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجد دین وملت، شیخ الاسلام و مسلمین حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" سے راقم الحروف نے صنعتِ تجنیس کامل کے ایک سو تیں (۱۳۰) اشعار کی تشریح بنام 'عرفانِ رضا در مدحِ مصطفیٰ'، تقریباً ایک ہزار صفحات میں اختصاراً امر قوم کی۔ بعدہٗ کتاب کا مقدمہ لکھنا شروع کیا۔ گمان تو یہ تھا کہ دس پندرہ صفحات میں مقدمہ پورا ہو جائے گا۔ لیکن دورانِ تحریر ذہن میں مضامین کی آمد شروع ہوئی اور وہ مضامین بوسیلہ قلم صفحہ قرطاس پر منقش ہوتے گئے اور اس تسلسل نے اتنا طول پکڑا کہ مقدمہ مقالہ بن گیا۔ جو کتابی شکل میں بنام "فن شاعری اور حسان الہند" قارئین کرام کی دست بوسی کا شرف حاصل کر رہا ہے

فقیر کی تصنیف " عرفان رضا" کا مقدمہ مر قوم کرنا تو باقی ہی رہا۔ بلکہ اب تو ایک کے بجائے دو مقدمات لکھنے کی نوبت پیش آئی لیکن فقیر نے مقدمہ نہ لکھنے کی ٹھان لی اور یہ نیت کر لی کہ دونوں کتاب کا مقدمہ میرے پیر و مرشد کے پیر زادے، امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی کے پیر خانے کے شہزادے، خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مقدسہ کے سجادہ میرے آقائے نعمت، میرے مونس وغمگسار، میرے ماوٰی وملجا، میرے شافع ورافع، حضور قبلہ سید آل رسول حسنین نظمی صاحب مارہروی دامت برکاتہم القدسیہ کے دست پاک سے لکھواؤں گا تاکہ میری دونوں کتابوں کو حضور نظمی صاحب کے مبارک قلم کا سایہ حاصل ہو جائے"۔

قبلہ سید آل رسول حسنین نظمی صاحب مارہروی دامت برکاتہم القدسیہ نے پھر جب اس شرح کی تقریظ تحریر فرمائی تو لکھا؛
"حضرت رضا بریلوی کی شاعری کا شاید ہی کوئی پہلو ہمدانی صاحب نے چھوڑا ہو۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہمدانی صاحب نے کلام رضا اور اردو کے نام نہاد صفِ اول کے شعراء کے کلام کے درمیان جو تقابلی موازنہ کیا ہے وہ اردو ادب میں اپنی نوعیت کا منفرد کارنامہ ہے۔ کسی شاعر کے دیوان میں سے زلف، رخسار، چشمِ محبوب، بہارِ گلشن، وغیرہ وغیرہ موضوعات پر کہے گئے اشعار ڈھونڈ نکالنا بہت آسان ہے۔ مگر عروض کی کسی صِنف میں کس صَنعت کے تحت کون سا شعر کہا گیا ہے اس کی تلاش ایسی ہی ہے جیسے بھوسے میں سوئی تلاش کرنا۔ ہمدانی صاحب کو تحقیق کا شوق جنون کی حد تک ہے۔ یہاں بھی وہی جنون کار فرما ہے۔ کتاب پڑھنے کے بعد آپ خود جان جائیں گے کہ تقابلی موازنہ میں انھوں نے کتنی محنت اٹھائی ہے۔ کہاں کہاں سے اتنی باریکیاں اکٹھی کر کے لائے ہیں کہ بے اختیار منہ سے واہ واہ نکل جاتا ہے۔

ایک بات ضرور کہوں گا: کہیں کہیں ہمدانی صاحب نے بہت ہی مشکل زبان استعمال کی ہے۔ کہیں کہیں ان کے جملے کافی طویل ہو گئے ہیں۔ ایک جملہ شروع کر کے آگے بڑھتے بڑھتے ڈر سا محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ جملہ کہاں ختم ہو گا۔ زبان کو

سہل بنایا جا سکتا تھا۔ مگر شاید ہمدانی صاحب نے اَدَق زبان کا استعمال اپنے موضوع کی مناسبت سے رَوَا رکھا ہے۔ بہر حال یہ طے ہے کہ یہ کتاب نہ صرف رضویات میں ایک بیش بہا اضافہ ہے بلکہ پورے اردو ادب میں بھی ایک ایسا نیا باب ہے جو آگے آنے والی نسل کو یہ سمجھنے کی صلاحیت عطا کرے گا کہ نعت گوئی بھی ایک مستقل فن ہے اور اس دریا کی غواصی عشقِ مجازی کے کنویں میں غوطے لگانے سے کہیں زیادہ مشکل ہے"۔[1]

۳) سراپائے مصطفیٰ از کلامِ رضا

یہ شرح علامہ مولانا ابو السعید سجاد علی فیضی صاحب نے لکھی ہے جس میں انہوں نے کلامِ اعلیٰ حضرت سے ذاتِ مصطفی ﷺ کے جمال و کمال کو بیان فرمایا۔ آپ کی شرح کی تقریظ لکھتے ہوئے حضرت علامہ مولانا ابو حذیفہ محمد کاشف اقبال مدنی رضوی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں؛

"فاضل نوجوان حضرت مولانا سجاد علی فیضی صاحب زید مجدہ نے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت بریلوی میلے کے کلام انور سے محبوب خدا احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے سراپا اقدس کا بیان کیا ہے اور اپنے آقا و مولا ﷺ کے حضور خراج عقیدت پیش کر کے اپنا نام بھی مدحت رسول کریم ﷺ کرنے والوں میں درج کروالیا ہے۔ فاضل مؤلف نے سیدنا امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کے کلام انور پر احادیث و آثار کے حوالہ جات سے بات کو مزید سہل انداز میں پیش کر دیا ہے۔ مولا تعالیٰ اپنے محبوب کریم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے فاضل مؤلف کی سعی محمودہ کو قبول فرمائے اور نجات دارین کا سبب بنائے۔ آمین"

حضرت علامہ مولانا ابو السعید سجاد علی فیضی صاحب اپنی شرح کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ؛

"فقیر حقیر سرکار ﷺ کی بارگاہ میں یہ سلام (سلامِ رضا) عرض کرتا تو بار بار خیال آتا کہ کیوں نہ ہو کہ کلامِ رضا (اشعار) کی صورت میں سراپاء اقدس پر کچھ لکھا جائے، ساتھ میں محبوب علیہ سلام کی بارگاہ بے کس میں یہ استغاثہ بھی عرض کرتا کہ حضور! کرم فرمائیں کہ آپ کا یہ غلام یہ کام سرانجام دے سکے۔ بس پھر کیا تھا کہ!

منگتا کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے۔

واپسی پر اس پر کام شروع کیا تو بحمد للہ!

آپ ﷺ کے کرم سے الفاظ کا یہ مجموعہ بنام "سراپائے مصطفی ﷺ از کلامِ رضا" ترتیب پایا جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ دعا ہے کہ رب تعالی اپنے محبوب ﷺ کے حسن و جمال کے تصدق سے اس ادنی سی سعی کو قبول فرما کر میرے والدین، مرشد کامل، تمام اساتذہ اور میرے لئے ذریعہ نجات بنائے اور اسے قبولیت عامہ کی زینت سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

[1] (شرح کلامِ اعلی حضرت، عبد الستار ہمدانی، ص ۲۳)

خلاصہ مقالہ:

اس دنیا میں کئی انسان آئے اور چلے گئے۔ ساری زندگی گمنامی کے فیض سے مستفیض ہوتے رہے اور پھر آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔ لیکن کچھ نفوس قدسیہ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوتی ہے۔ جب ایسے عظیم لوگ سفر آخرت کی جانب کوچ کرتے ہیں تو زمین و آسمان بھی آنسو بہاتے ہیں ایسی باکمال اور بے مثال شخصیات میں حضرت علامہ ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ کا نام نہایت روشن ہے۔ آپ نے ملک بھر میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ ساری زندگی قلم و قرطاس سے تعلق رکھا، احقاق حق اور ابطال باطل میں اپنی مثال آپ تھے۔ مختلف موضوعات پر تقریباً پانچ ہزار کے قریب تصانیف قلم بند فرمائیں۔ آپ نے نہایت برق رفتاری سے تصنیف و تالیف کے محاذ پر کام کیا۔ آپ کو صاحب تصانیف، مفسر، محدث، مولف، مترجم، شارح، مناظر، مدرس، شیخ طریقت، واعظ اور ایک مصلح کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

تیرے علمی کارنامے بخشیں گے تجھے دوام
آب زریں سے لکھے گا کل مؤرخ تیرا نام

آپ جہاد بالقلم کے غازی ثابت ہوئے ہیں، موضوع خواہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو، عام فہم اور آسان انداز میں پیش کرنا آپ کا خاصہ رہا۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے محبت و شفقت آپ کا طرّۂ امتیاز تھا۔ نہایت حلیم الطبع، نرم مزاج اور صابر و شاکر ہونے کا اعلیٰ نمونے تھے۔ ہمیشہ اپنے آپ کو "مدینے کا بھکاری" لکھا اور اس پر فخر بھی کیا۔ دنیا بھر میں جا کر پیغام اسلام پہنچایا، آخری دم تک قلمِ اویسی چلاتے رہے۔ میں نے آپ کی قلمی فتوحات کو صفحہ قرطاس پر لانے کی سعی کی ہے۔ اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ علامہ اویسی واقعی فیضِ ملت اور جہاد بالقلم کے غازی تھے۔ شیخ القرآن علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی کی ذات بے شمار خوبیوں کی جامع رہی۔ علماء تو بہت ہیں لیکن جو فیض ملت میں خوبیاں تھیں وہ ناپید ہیں۔

بچھڑا وہ کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا۔

اللہ تعالیٰ آپ کا فیضان ہمیشہ جاری و ساری رکھے اور آپ کی خدمات کو لوگوں میں عام فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

عرض وتجاویز:

فیض ملت مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے دین متین کی ابدیت پر اثر انداز ہونے والے مسائل کی تنقیح کرتے ہوئے عقل و نقل کے حدود متعین فرمائے اور کلامی نقطۂ نظر سے اسلام کا دفاع کر کے اعتقادی فتنوں اور گمراہیوں کو نیست ونابود کر دکھایا۔ آج بھی فیض ملت کی تصنیفات ایمانی جوش اور ولولہ پیدا کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہیں، اگر انکی تصنیفات کو عام کیا جائے تو یقیناً بلاشبہ مسلمانوں کے مردہ جسم میں روحانیت اور فرقہ باطلہ کے کلیجوں میں خنجرِ اویسی کے وار پیدا ہو سکتے ہیں۔ آپ کی تقریری خدمات تلاش کرنے میں کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ لہذا آپ کی تقریری خدمات پر بھی کام کی بہت حاجت ہے۔ ویسے تو فیض ملت کی تصانیف کثیر ہیں لیکن افسوس وندامت اس بات پہ ہے کہ ابھی تک آپ کی چند تصانیف ہی منظر عام پر آئی ہیں۔ فقیر تمام لوگوں سے عرض کرتا ہے کہ فیض ملت کی تصنیفی خدمات پر کام بھی کیا جائے اور ان کی خدمات کو منظر عام پر لانے کے لئے جس سے جتنا ہو سکے ضرور بالضرور تعاون کرے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام خدمات قبول فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

فہرست آیات مبارکہ:

1	شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ	(آلِ عمران:۱۸)
2	وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ	(سورۃ یوسف:۷۶)
3	خَلَقَ الْإِنْسَانَ	(سورۂ علق:۲)
4	اَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ	(یونس:۶۲)
5	الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۞ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۞	(سورۃ علق:۴۔۵)
6	هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَاناً	(قصص:۳۴)
7	ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَشَاءُ	(سورۃ المائدہ: ۵۴)
8	وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ	(الدھر:۱۵)
9	وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ	(سورۃ والضحیٰ:۱۰)
10	عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوْفٌ رَّحِيم	(سورۃ التوبۃ : ۱۲۸)

مصادر و مراجع:

کتاب	مؤلف / مصنف	مطبوعہ
قرآن کریم	کلام الٰہی	مکتبۃ المدینہ کراچی
صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج	بیروت
سنن ابن ماجہ	امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	بیروت
سنن ابو داؤد	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	بیروت
المستدرک علی الصحیحین	الامام الحافظ ابو عبد اللہ الحاکم النیسابوری	بیروت
البحر المحیط	علامہ ابو الحیان اندلسی	بیروت
الاتقان فی علوم القرآن	امام حافظ جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی	بیروت
عمدۃ القاری	علامہ عینی	بیروت
تفسیر الخازن	امام علاء الدین علی بن محمد بغدادی	بیروت
الدر المنثور	امام حافظ جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی	بیروت
الاشباہ والنظائر	امام حافظ جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی	بیروت

الحدائق میانوالی کا مفسر اعظم	سید زاہد حسین نعیمی اویسی	ماہنامہ فیضِ عالم بہاولپور
فیضِ ملت کی فیض رسانیاں	میاں عطاء محمد نعیمی	مکتبہ اویسیہ رضویہ
مقالہ حضرت فیض احمد اویسی	مفتی عبد الرحمٰن نقشبندی کہروڑپکا	غیر مطبوعہ
فیضانِ علم و علماء	مولانا نقی علی خان	مکتبۃ المدینہ
یادگارِ فیضِ ملت	مقصود نوشاہی اویسی	فیضِ رضا پبلکیشنز
مظلوم مصنف	محمد اعجاز اویسی	غیر مطبوعہ
فیوض الرحمٰن تفسیر روح البیان	محمد فیض احمد اویسی	مکتبہ اویسیہ رضویہ
ماہنامہ فیضِ عالم	محمد فیض احمد اویسی	مکتبہ اویسیہ رضویہ
ماہنامہ تحفظ	محمد شہزاد قادری	غیر مطبوعہ
شجرۂ اویسیہ قادریہ	محمد فیض احمد اویسی	بزم فیضانِ اویسیہ کراچی
انٹرویو ماہنامہ سوئے حجاز	محمد خلیل الرحمٰن قادری	غیر مطبوعہ
فیضِ ملت ایک مثالی معلم	محمد فیاض احمد اویسی	بزم فیضان اویسیہ
احسن البیان فی اصول تفسیر القرآن	محمد فیض احمد اویسی	قطبِ مدینہ پبلیکیشنز

علامہ اویسی کی مذہبی و تصنیفی خدمات	محمد شہزاد قادری	غیر مطبوعہ
منزل بہ منزل	محمد فیاض احمد اویسی	بزم فیضان اویسیہ
علم کے موتی	محمد فیض احمد اویسی	بزم فیضان اویسیہ
سیرتِ رضا	محمد منیر رضا عطاری	کمپوزد
حیاتِ اعلیٰ حضرت	علامہ محمد ظفر الدین بہاری	اکبر بک سیلرز لاہور
تجلیاتِ امام احمد رضا	محمد امانت رسول	مطبوعہ برکاتی
فیضانِ اعلیٰ حضرت	حافظ محمد ریحان احمد قادری عطاری	شبیر برادرز
سوانحِ امام احمد رضا	علامہ بدر الدین احمد قادری رضوی	مکتبہ نوریہ رضویہ
اکسیر اعظم مع مجیر معظم مترجم	مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی	بزمِ رضا
الحقائق فی الحدائق	محمد فیض احمد اویسی	بزم فیضان اویسیہ
مقالہ	نعیم احمد جسولی	غیر مطبوعہ
شرح کلامِ اعلیٰ حضرت	علامہ عبد الستار ہمدانی	اکبر بک سیلرز لاہور